حسین بن منصور حلّاج

ایک تحقیقی جائزہ

پروفیسر لطیف اللہ

ادارۂ یادگارِ غالب کراچی

Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED

حسین بن منصور حلّاج

ایک تحقیقی جائزہ

پروفیسر لطیف اللہ

ادارۂ یادگارِ غالب
کراچی

Marfat.com

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ یادگارِ غالب
شمار : ۴۱

۲۹۷۶۴۹۲
۵۱ ح
ل
70041

طبع اوّل	:	۲۰۰۳ء
طابع	:	احمد برادرز، ناظم آباد، کراچی
تعداد	:	چھ سو
قیمت	:	ایک سو بیس روپے (=/۱۲۰)

☆

ادارۂ یادگارِ غالب

پوسٹ بکس نمبر: ۲۲۶۸

ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

☆

غالب لائبریری

دوسری چورنگی، ناظم آباد

کراچی ۷۴۶۰۰

Marfat.com

فہرست

حرفِ اوّل (ادارہ)	۷
عرضِ مؤلف	۹
بابِ اوّل: حسین بن منصور کا عصر... تیسری صدی ہجری	۲۰
علمی اور فکری ماحول	۲۱
حدیث	۲۱
فقہ	۲۲
تفسیر	۲۴
سیر و مغازی	۲۵
عقلی اور سائنسی علوم کی ترویج	۲۶
علمِ کلام کی ترویج اور ترقی	۲۷
فکری ماحول کا تجزیہ	۲۸
خلافتِ عباسیہ میں باطل فرقوں کا ظہور	۲۹
پسِ منظر	۲۹

Marfat.com

فرقۂ راوندیہ ۳۰
مقنع خراسانی ۳۰
بابک خرمی ۳۱
ایک مدعیِ نبوت ۳۱
خلافتِ عباسیہ میں ضعف و انتشار کے آثار ۳۲
صاحب الزنج کی بغاوت ۳۵
قرامطہ کا ظہور ۳۵
حواشی بابِ اوّل ۳۷

بابِ دوم: حسین بن منصور کے حالاتِ زندگی ۴۰

خطیب بغدادی کی روایت ۴۱
صوفیہ کی تصانیف اور تذکرے ۴۶
کشف المحجوب میں ابنِ منصور کا ذکر ۴۶
علی ہجویریؒ کی تحقیق ۴۸
حاصلِ تحقیق ۵۱
رسالۂ قشیریہ۔ ابوالقاسم قشیریؒ ۵۳
تذکرۃ الاولیا۔ عطارؒ ۵۶
نفحات الانس۔ جامیؒ ۵۶
سیر الاولیا۔ میر خورد کرمانیؒ ۵۶
کتب تواریخ میں حسین بن منصور کا ذکر ۶۰
مستشرقین کی تحقیقات ۶۵
اقبال اور حلاج ۷۴
حواشی بابِ دوم ۷۶

Marfat.com

بابِ سوم: حسین بن منصور کی سزائے قتل کا اصل سبب ۸۰

عریب بن سعد قرطبی کی پہلی روایت ۸۳

عریب بن سعد قرطبی کی دوسری روایت ۸۶

خطیب بغدادی کی روایت ۸۶

اخبار الحلاج ۹۱

حواشی بابِ سوم ۹۶

بابِ چہارم: ابنِ منصور کے قتل پر جلیل القدر صوفیہ کے تأثرات ۹۷

ابوبکر شبلیؒ ۹۸

داتا گنج بخش علی ہجویریؒ ۱۰۰

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۱۰۱

ابنِ عربیؒ ۱۰۲

سیّد محمد حسینی بندہ نوازؒ ۱۰۵

حواشی بابِ چہارم ۱۰۸

بابِ پنجم: حاصلِ مطالعہ حقائق ۱۰۹

حواشی بابِ پنجم ۱۱۴

پس نوشت ۱۱۶

ضمیمہ: منصوریات کا اجمالی خاکہ ۱۲۲

کتابیات ۱۴۰

ooo

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ اوّل

حسین بن منصور حلاج کا نام ہماری فکر و ثقافتی تاریخ میں بعض اعتبارات سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خصوصاً ادب کے حوالے سے تو یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہمیشہ تازہ رہا ہے، اور اسے حق گوئی و حق شناسی کی راہ میں مرحلۂ دار و رسن سے گزرنے کی علامت کے طور پر ہر دور میں سکۂ رائج الوقت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حسین بن منصور حلاج سے متعلق تاریخی روایات تضاد و تناقص کی حامل ہیں اور انھیں ایک مرتبہ جس طرح مشہور کر دیا گیا، پھر اُن پر غور و فکر کر کے اصل حقیقت کو جاننے کی کوشش کبھی نہیں کی گئی، حالانکہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کشف المحجوب" میں واضح طور پر اشارہ کیا ہے کہ لوگوں نے تحقیق کے بغیر حسین بن منصور حلاج کے عہد کے ایک دوسرے شخص حسن منصور کو حسین بن منصور حلاج تصور کر کے، اُس کے ملحدانہ خیالات و تصورات بھی اُن سے منسوب کر دیے ہیں۔

پروفیسر لطیف اللہ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے اس فرمودے کی روشنی میں حسین بن منصور حلاج کی اصل تصویر پیش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انھوں نے

Marfat.com

''اناالحق'' کا نعرۂ مستانہ کبھی بلند نہیں کیا کیونکہ پانچویں صدی ہجری تک صوفیہ کی تصانیف میں اس واقعے کا بیان نہیں ملتا۔ مستشرقین نے قولِ اناالحق اور اُس کے متعلقات کے سلسلے میں جو نکات مخترع کیے ہیں، اُن کا اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

زیرِ نظر کتاب پروفیسر لطیف اللہ کے وسیع و عمیق مطالعے کا حاصل ہے۔ اس موضوع پر لکھنے کا حق اُنھیں اس لیے بھی ہے کہ اُنھوں نے تصوف کے حوالے سے اسلامی تاریخ و ثقافت پر غور و فکر کرنے میں ایک عمر بسر کی ہے۔ اس کا ثبوت اُن کی تصانیف و تراجم سے بھی ملتا ہے جن کی ایک مختصر فہرست یہ ہے:

تصانیف

تصوف اور سریّت ۔ تقابلی مطالعہ

انفاسِ امدادیہ (سوانح حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

غالب: شخصیت و کردار

تراجم

غایۃ الامکان فی درایۃ المکان	عین القضاۃ ہمدانی
ملفوظات شاہ مینا لکھنوی	
کلمات الصادقین	محمد صادق دہلوی
مطلوب الطالبین	شیخ محمد بلاق
کتابِ عشق (مخ المعانی)	حسن علا سنجری
لطائفِ اشرفی (حصہ دوم و سوم)	ملفوظات سیّد اشرف جہانگیر سمنانی

ہم اُمید کرتے ہیں کہ زیرِ نظر کتاب علمی و ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی اور حسین بن منصور حلاج کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دُور کرنے میں مدد دے گی۔

ادارہ

Marfat.com

عرضِ مؤلّف

دنیا کی تمام قوموں اور ملتوں میں انفرادی سزائے قتل کے واقعات، خواہ اُن کا سبب فکری، نظریاتی، سیاسی یا مذہبی ہو، ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں کی تعداد میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں لیکن جو شہرت، دوامیت اور مقبولیت حسین بن منصور حلاّج بن محمی بیضاوی کے حصے میں آئی وہ کسی قوم و ملّت کے مقتول کو حاصل نہ ہو سکی۔ گزشتہ گیارہ صدیوں میں کوئی صدی ایسی نہ گزری ہوگی جس میں اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کے کسی مصنّف، مورّخ، تذکرہ نگار یا شاعر نے اُنھیں کسی نہ کسی جہت سے یاد نہ کیا ہو۔

سقراط، جون آف آرک اور برونو جنھوں نے حق کے لیے اپنی جانیں قربان کیں، تاریخِ فلسفہ، مذہب اور سائنس کے زمانی کردار سے بڑھ کر کوئی ایسی حیثیت حاصل نہ کر سکے جو اپنے اپنے ملکوں کے عوام کی زبان و ادب کا استعارہ بنے ہوں لیکن حسین بن منصور بیضاوی کا معاملہ برعکس ہے۔ وہ فارس کے علاقے بیضا کے ایک گاؤں طور میں ۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ واسط، تستر، بغداد اور حجازِ مقدس میں ایامِ حیات بسر کیے۔ ۳۰۹ھ میں اُن کی شہادت کے ہزار سال بعد ہزاروں فرسنگ کے فاصلے برِصغیر کے قصبات میں جاہل ناخواندہ تانگے والے اور علی الصبح پھیری لگانے والے ذوق و شوق سے

Marfat.com

گاتے تھے:

منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے

یہ امرِ واقع ہے کہ اسلامی ملکوں کے صوفیہ، تذکرہ نگار اور شعرا نے جس جس انداز اور جہت سے حسین بن منصور کو یاد کیا ہے اُس کی مثال کسی دوسری قوم و ملّت کے ادب میں نہیں ملتی۔ یہاں بطورِ مثال چند اشعار بغیر تاریخی ترتیب کے پیش کیے جاتے ہیں:

فارسی اشعار

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے
(محمود شبستری)

ایک درخت اگر انا اللہ کہے تو روا ہے (یہی حال) ایک نیک بخت پر طاری ہو تو کیوں روا نہیں ہونا چاہیے۔

ہم انا اللہ خواں درختے را بہ گفتار آورد
ہم انا الحق گوے مردے را سرِ دار آورد
(غالب)

اللہ تعالیٰ ہی درخت سے انا اللہ کہلواتا ہے اور وہی انا الحق کہنے والے صاحبِ ہمت کو پھانسی پر لٹکوا دیتا ہے۔

منم عثمان مروندی بیادِ شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم
(لعل شہباز قلندرؒ)

میں عثمان مروندی اپنے شیخ منصور کی یاد میں دار پر رقص کرتا ہوں اور ایک مخلوق مجھے ملامت کر رہی ہے۔

منصور انا گفت مگر رنگِ دوئی داشت
ما از من و تو ہیچ سروکار نہ داریم
(نامعلوم)

Marfat.com

منصور نے اس لیے "میں" کہا کہ وہ دوئی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ہم "میں" اور "تو" سے سروکار ہی نہیں رکھتے۔

شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا
خود زدی بانگِ انا الحق برسرِ دار آمدی
(شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ)

کہاں کی دیوانگیِ منصور اور کیسی اُن کی پھانسی! (عشق نے) خود ہی نعرۂ انا الحق لگایا اور خود ہی تختۂ دار پر چڑھ گیا۔

فارغ از خود شدم و کوئے انا الحق بروم
ہمچو منصور خریدارِ سرِ دار شدم
(آیت اللہ خمینی)

میں خود سے فارغ ہوگیا ہوں اور انا الحق کے کوچے میں جاتا ہوں۔ منصور کی طرح خود ہی تختۂ دار کا طلب گار ہوں۔

ما مستِ الستیم بہ یک جرعہ چو منصور
اندیشۂ فتوائے سرِ دار نہ داریم
(مولانا رومیؒ)

ہم مستِ الست ہیں (شرابِ محبت کا) ایک گھونٹ پی کر منصور کی طرح دار پر چڑھائے جانے کے فتوے کا اندیشہ نہیں کرتے۔

گفت فرعونے انا اللہ گشت پست
گفت منصورے انا الحق و برست
آں انا را لعنۃ اللہ در عقب
ایں انا را رحمۃ اللہ اے محب
بود انا الحق برلبِ منصور نور
بود انا اللہ در لبِ فرعون زور
(مولانا رومیؒ)

Marfat.com

ایک فرعون نے انا اللہ کہا اور ذلیل ہوگیا۔ ایک منصور نے انا الحق کہا اور بلند ہوگیا۔

اُس انا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لعنت چسپاں ہے۔ اے صاحبِ محبت اِس انا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

منصور کی زباں پر انا الحق سراسر نور تھا، اِس کے برعکس فرعون کا انا اللہ کہنا سراسر فریب تھا۔

گفت آں یار کزو گشت سرِ دار بلند
جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا می کرد
(خواجہ حافظؒ)

(اس دوست نے جس کے باعث دار کا سر بلند ہوا، کہا کہ اُس کا جرم صرف اتنا تھا کہ اسرار ظاہر کر دیتا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حسین بن منصور پر جو واقعہ گزرا تھا، اُس سے متعلق شیخ شیوخ عالم (بابا فرید گنج شکرؒ) نے بارہا یہ رباعی پڑھی☆ا:

از نورِ جلال مردِ مطلق خیزد
وز شوقِ خدا نگرچہ رونق خیزد
ایں خاطرِ مرداں چہ عجائب بحریست
چوں موج زند ہمہ انا الحق خیزد
(نامعلوم)

نورِ جلال سے مردِ آزاد نمودار ہوتا ہے، دیکھو شوقِ الٰہی سے کیسی رونق ظہور میں آتی ہے۔ اہلِ ہمت کا دل کیسا عجیب سمندر ہے کہ جب موجیں مارتا ہے تو انا الحق ہی نمایاں ہوتا ہے۔

بہ جامِ نو کہن مے، از سبو ریز
فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز

اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور
بہ دل ''لاغالب الا اللہ'' فرو ریز
(علامہ اقبالؒ)

نئے جام میں گھڑے سے پرانی شراب انڈیل لے۔ اپنے وجود کی روشنی سے محل اور کوچوں کو روشن کردے۔ اگر تو شجرِ منصور سے پھل حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل میں یہ خیال جمالے کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ہے۔

کند شرحِ اناالحق ہمتِ او
پے ہر کن کہ می گوید یکون است
(علامہ اقبال)

اس کی (حسین بن منصور کی) ہمت انا الحق کی یہ شرح کرتی ہے کہ ہمت جس چیز کے لیے ''ہوجا'' کہتی ہے وہ ''ہوجاتی ہے۔''

اردو اشعار

موسم آیا تو نخلِ دار پہ میرؔ
سرِ منصور ہی کا بار آیا
(میر تقی میر)

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں
(نامعلوم)

اِنھیں کانوں سے انا الحق کے سنے ہیں نعرے
آدمی عشق میں کیا جانیے کیا ہوتا ہے
(آسی غازی پوری)

Marfat.com

منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
(علامہ اقبال)

کہیں ہے عبدہٗ کی دُھن کہیں شورِ انا الحق ہے
کہیں اخفائے مستی ہے کہیں اظہارِ مستی ہے
(بیدم وارثی)

ہمیں سے سنّتِ منصور و قیس زندہ ہے
ہمیں سے باقی ہے گل دامنی و کج کُلہی
(فیض)

منصور تو سر دے کے سبک ہوگیا لیکن
جلّاد سے پوچھے کوئی جلّاد کا عالم
(جگر مراد آبادی)

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن سب سے اہم پہلو یا سوال یہ ہے کہ گیارہ سو سال گزر جانے کے باوصف وہ کون سے قوی اور توانا عناصر ہیں جن کے باعث حسین بن منصور بیضاوی اپنے قصۂ جاں سپاری و جاں بازی کے ساتھ، ملّتِ اسلامیہ کی روحانی اور فکری تاریخ کا مستقل عنوان بن گئے ہیں۔

اِس سلسلے میں عرض ہے کہ جس طرح ظاہری طور پر انسانی زندگی کی بقا اور قیام کے لیے جسمانی اعصاب اور قویٰ کا معتدل اور رُوبصحت ہونا ضروری ہے اُسی طرح ایک صاحبِ ایمان کی حیات بعد الممات کے لیے روحانی اور اخلاقی عناصر کا استمرار ناگزیر ہے جو اُسے آنے والے زمانوں میں مرجعِ خلائق بنائے رکھے۔ حسین بن منصور کی شہرت و دوامیت کی اصل یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے عہد کے عظیم ترین اولیا میں سے تھے۔ سرسری طور سے دیکھا جائے تو تیسری صدی ہجری میں عراق، جبال اور فارس کے علاقوں میں ایسے جلیل القدر اولیائے الٰہی موجود تھے، جو گروہِ صوفیہ کے سرخیل اور سید الطائفہ تھے۔ حضرت

Marfat.com

بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ) سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۷۳ یا ۲۸۳ھ) عمرو بن عثمان مکی (م۲۹۶ھ) جنید بغدادی (م۲۹۸ھ) اور ابوبکر شبلی (م۳۳۴ھ) سلسلۂ خواجگان کے تابندہ ستارے تھے جن میں سے اکثر بزرگوں سے حسین بن منصور نے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔

احقر راقم السطور کی دانست میں حسین بن منصور کی مقبولیت کی پہلی اصل تسلیم و رضا کی راہ پر چلنا ہے جس کا صلہ ہی دوامیت اور پائندگی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگرست

خنجرِ تسلیم کے مارے ہوؤں کو ہر وقت غیب سے ایک حیاتِ تازہ ملتی ہے۔

دوسری اصل اُن کی بے گناہی اور بے جرمی ہے جس کی تفصیل اِس تالیف کے باب سوم میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

تیسری اصل اُن کا وہ جذبۂ سرفروشی و جاں بازی ہے جو ہر عاشقِ صادق کے دل میں موجزن رہتا ہے اور بالآخر بارگاہِ محبوب میں مستجاب ہوتا ہے۔ اِس جذبۂ سرفروشی کو حسین بن منصور ہی کی زبان سے سنیے: ☆۲

اقتلونی یا ثقاتی
ان فی قتلی حیاتی

[میرے دوستو! مجھے قتل کردو، بے شک میرے قتل ہی میں میری زندگی ہے]

ومماتی فی حیاتی
وحیاتی فی مماتی

[اور (دنیوی) زندگی میں میری موت ہے، میری حیات تو موت ہی میں ہے]

Marfat.com

والذی حیّ قدیم
غیر مفقود الصفات

[اور وہ جو زندہ جاوید ہے اُس کی صفات مفقود (و معدوم) نہیں ہوتیں]

وانا منہ رفیع
فی حجور المرضعات

[اور میں اس سے تربیت یافتہ ہوں، تربیت کرنے والوں کی گود میں پرورش پائی ہے، اس لیے قتل سے میری روح اور میری معرفت ومحبّت فنا نہ ہوگی]

''میری حیات تو موت ہی میں ہے'' ایک جذبۂ صادق جو حسین بن منصور بیضاوی کے کام آگیا اور خاصانِ خدا میں اُن کی مقبولیت کا باعث بنا۔

اُن کی دوامی مقبولیت کی چوتھی اصل ''کتاب الطّواسین'' کے باب اوّل ''طاسین السّراج'' میں پیش کردہ نعت ہے۔ یہ نعت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جس عقیدت کے ساتھ پیش کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اُس سے فزوں تر انعام سے مدّاحِ محبوب کو نوازا۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔☆۳

''طاسین، غیب کے نور کا ایک چراغ تھا جو اِس دنیا میں ظاہر ہوا، اور پھر لوٹ آیا۔ وہ نور تمام چراغوں سے بڑھ گیا اور سب روشنیوں پر غالب آیا۔ اُس کی تجلّی اِس طرح آشکار ہوئی کہ تمام چاند اُس کے سامنے ماند پڑ گئے... نبوّت کے انوار آپ ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اُس کی تمام روشنیاں آپ ہی کی روشنی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ روشنیوں میں سے کوئی روشنی بھی اِس کرامت والے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی سے زیادہ تاب ناک اور زیادہ واضح اور زیادہ قدیم نہیں ہے... آپ صاحبِ معراجِ کبریٰ ہیں اور

Marfat.com

مخلوق کے سردار ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد اور آپ کی تعریف یگانہ و یکتا ہے۔ آپ کا حکم اٹل، آپ کی ذات غنی، آپ کی صفت بلند اور آپ کی ہمّت منفرد ہے... آپ ہمیشہ رہے بلکہ مخلوقات و موجودات سے پہلے بھی آپ کا ذکرِ خیر تھا۔ آپ کے تذکرے کا سلسلہ ازل سے پہلے اور ابد تک جاری رہے گا... حق آپ کے ساتھ اور حقیقت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ سچائی اور نرمی آپ کی ذات کا جوہر ہے۔ آپ قرب میں سب سے پہلے اور نبوّت میں سب سے بعد ہیں۔ از روے حقیقت آپ باطن ہیں اور از روے معرفت آپ ظاہر ہیں۔"

مذکورۂ بالا گزارشات کے مطابق حسین بن منصور کی محبوبیت اور مقبولیت کے عناصر اُن کا راضی برضا رہنا، اُن کی بے گناہی، اُن کا جذبۂ صادق اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اُن کی والہانہ وابستگی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض اہلِ علم اور اربابِ دانش چند دیگر عناصر کی نشان دہی فرمائیں تو اُن کی یہ سعی بھی علمِ نافع کی اشاعت میں شامل ہوگی۔

یہ تو حسین بن منصور کی دوامی مقبولیت کی اصل ہیں لیکن اِس تالیف کا سببِ تحریر یہ مقصد ہے کہ جن روایات نے اُن کی شخصیت کے گرد افسانوی طرز کا تانا بانا بن دیا ہے، اُن کی تنقیح کی جائے اور اُس حقیقی شخصیت کو تلاش کیا جائے جو ۲۴۴ھ میں بیضائے فارس میں پیدا ہوئے، جن کی کنیت ابوالمغیث تھی اور جن کے والد منصور بن محمی نے اُن کا نام حسین رکھا اور جو ۳۰۹ھ میں عبّاسی خلیفہ مقتدر باللہ کے وزیر حامد بن عبّاس کے بے جا ظلم کا نشانہ بنے۔

اِس تالیف میں راقم السطور نے اپنے مطالعے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور اپنی گزارشات کو خلافتِ عبّاسیہ کے اُس دور تک محدود رکھا ہے جو تیسری صدی ہجری اور چوتھی صدی ہجری کے چوتھائی حصّے پر محیط ہے۔ اِن سوا سو برسوں کے واقعات سے

Marfat.com

متعلق چند ایسے شواہد قارئین کے ملاحظے میں آئیں گے جو حسین بن منصور بن محمی البیضاوی کی حقیقی شخصیت کو متعین کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ راقم عاجز کی گزارشات کا محور حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ کی یہ تحقیق ہے کہ حسین بن منصور اور حسن بن منصور نام کے دو شخص تھے۔ اوّل الذکر کی جائے پیدایش بیضائے فارس اور دوسرے کی بغداد ہے اور یہ موخر الذکر ساحر و ملحد تھا۔☆۴

خلافتِ عبّاسیہ میں تیسری اور چوتھی صدی کے حالات اِس قدر ابتر اور منتشر تھے کہ مذکورہ اشخاص کے احوال و سوانح ایک دوسرے میں خلط ملط ہوگئے جیسا کہ ہر دورِ فتن میں اکثر ہوتا ہے۔

یہ حضرت مرشدی و مولائی ڈاکٹر غلام محمد اور حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہم کا فیضِ روحانی ہے کہ یہ ہیچ کارہ ایسی دشوار گزار وادی عبور کرنے کے قابل ہوا جو اس کی طاقت اور استعداد سے بالاتر تھی۔

احقر راقم استاذِ محترم ڈاکٹر اسلم فرخی کا شکر گزار ہے کہ جب راقم نے اُن کی خدمت میں حسین بن منصور بیضاوی کے حالات لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ڈاکٹر صاحب نے اِس بے علم و عمل کی ہمت افزائی فرمائی اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے کتبِ تاریخ کے عربی اقتباسات کا مفہوم سمجھانے میں اپنا بہت سا قیمتی وقت خوش دلی سے اِس عاجز کے لیے صرف کیا اور اپنے علم سے استفادہ کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ''سیرتِ منصور حلاّج'' سے اِس عاجز نے بے حد استفادہ کیا۔ اگر مولانا حیاتِ ناسوتی میں ہوتے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدیۂ تشکّر پیش کرتا۔ اب بارگاہِ الٰہی میں اُن کی بلندیِ درجات کے لیے دعا گو ہے۔

میں ادارۂ یادگارِ غالب کے اربابِ حل و عقد خصوصاً محترمہ بیگم مجید ملک صاحبہ

Marfat.com

کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے میری اِس تالیف کو ادارے کے اشاعتی پروگرام شامل کر کے راقم کو سرفراز فرمایا۔

ہیچ کارہ

لطیف اللہ

۲۴ ربیع الاوّل ۱۴۲۳ ہجری

حواشی:

۱۔ سیر اولیا (فارسی) مصنفہ میر خورد کرمانی۔ باب ہشتم، نکتہ در بیانِ عشق، لاہور ۱۹۷۸ء ص ۴۸۶

۲۔ سیرتِ منصور حلاج، مصنفہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۱۶۰ و ۱۷۱ (ترجمہ از مولانا رحمتہ اللہ علیہ)

۳۔ طواسین مصنفہ حسین بن منصور حلاج بیضاوی، مترجم عتیق الرحمٰن عثمانی، لاہور ۱۹۹۸ء ص ۸۸، ۹۰، ۹۱ و ۹۳۔

۴۔ کشف المحجوب (فارسی)۔ مصنفہ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، مرتبہ پروفیسر محمد شفیع مرحوم، لاہور، سال طبع ندارد۔ ص ۱۵۸۔

حیرت ہے کہ مستشرقین نے جو بال کی کھال نکالنے میں مشہور ہیں، علی ہجویری قدس سرہٗ کی اِس نشان دہی پر ایک جملہ بھی نہیں لکھا اور اِس سوال کی اہمیت کو بالکل پی گئے۔ ہمارے حضرات میں مولانا ظفر احمد عثمانی کے سوا کسی صاحب نے اِس نکتے پر اظہارِ خیال نہیں فرمایا۔ مولانا مرحوم کا ماخذ کشف المحجوب نہیں بلکہ تذکرۃ الاولیا مصنفہ شیخ فرید الدین عطارؒ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیرتِ منصور حلاج ص ۱۷۷۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے کسی جگہ تحریر فرمایا ہے کہ انھیں کشف المحجوب دستیاب نہ ہوسکی۔

○○○

Marfat.com

بابِ اوّل

حسین بن منصور کا عصر... تیسری صدی ہجری

بنو عبّاس کی خلافت، عراق پر ابُو العبّاس عبداللہ بن محمد کا قبضہ ہونے کے بعد ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں قائم ہوئی اور اُن کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ پر ختم ہوئی جو ہلاکو خاں تاتاری کے حکم پر مع اپنے اہلِ خاندان کے قتل کردیا گیا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا ☆۱۔ شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۱ھ) نے اس عظیم تباہی اور بربادی پر ایک پرسوز مرثیہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیرالمومنیں

[اگر آسمان امیر المومنین مستعصم باللہ کے زوالِ سلطنت پر خون (کے آنسو) بہائے تو یہ اُس کا حق ہے]

حکومتوں کا قیام اور اُن کا زوال انقلاباتِ زمانہ کا ایک عمل ہے جو ہمیشہ سے جاری و ساری ہے لیکن خلافتِ بنو عبّاس کے حوالے سے تیسری صدی ہجری، اُن کے دورِ حکومت کی سب سے اہم صدی ہے۔ ایک جہت سے یہ صدی بنو عبّاس کی خلافت کا عہدِ زرین ہے اور دوسری جہت سے اُن کے زوال کا نقطۂ آغاز ہے۔ دوسری جہت یعنی تیسری صدی میں ظہور میں آنے والے انتشار و خلفشار کی تفصیل بعد میں پیش کی جائے گی، یہاں اِس صدی کی علمی ترقّیوں اور فکری ماحول کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

علمی اور فکری ماحول

بنو عبّاس کے پہلے خلیفہ ابو العبّاس سفّاح (م ۱۳۶ھ) نے انبار کے نزدیک ایک نیا شہر آباد کر کے اس کا نام ہاشمیہ رکھا اور اسے اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور (م ۱۵۸ھ) نے دریائے دجلہ کے کنارے بغداد کو جو ایک قدیم قصبہ تھا، نئے دارالحکومت کے لیے پسند کیا☆۲ جو بنو عبّاس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک دارالخلافہ رہا۔

تیسری صدی ہجری میں نہ صرف شہرِ بغداد بلکہ مملکتِ عبّاسیہ کے دیگر علاقے بھی علمی سرگرمیوں اور ترقیوں کے مرکز بنے اور وہاں فکر کی نئی جہتیں نمودار ہوتی رہیں۔ علم چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ خاص ہے، اِس لیے اسلام نے حصولِ علم کے لیے کوئی پابندی عائد نہیں کی بشرطے کہ وہ بنی نوع انسان کے لیے نافع اور اُس کے اخلاق کو پاکیزہ بنانے میں ممد و معاون ہو۔ مسلمانوں نے تمام علوم کو اپنے اپنے دائرے میں مفید اور بار آور ہونے کے لیے انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا۔ وہ علوم جن کا تعلق براہِ راست اُن کے عقائد، عبادات اور معاملات سے ہے، انھیں علومِ شرعیہ کہتے ہیں اور اُن میں حدیث، فقہ، تفسیر اور سیر و مغازی شامل ہیں۔ اِن میں ایک حد تک علمِ کلام کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، جس کے ذریعے عقلی استدلال سے عقائد کا اثبات کیا جاتا ہے۔ یہاں علمِ کلام سے قطعِ نظر، جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا، تیسری صدی ہجری میں علومِ شرعیہ کی ترقی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد عقلی اور سائنسی علوم کا مختصر حال اور اِن علوم سے بالیدہ ہونے والی فکر کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

حدیث

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر کو (وہ واقعات جو آپؐ کے سامنے پیش آئے اور اُن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی) حدیث کہتے ہیں☆۳ آپؐ کی اطاعت اور اتباع چوں کہ ہر صاحبِ ایمان پر فرض ہے اس لیے ابتدا ہی سے

صحابہٴ کرام کی توجہ احادیثِ مبارکہ کو جاننے اور عمل کرنے کی جانب رہی۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ (پیرس) نے مستند شواہد سے نشان دہی کی ہے کہ تدوین اور کتابتِ حدیث کی ابتدا عہدِ رسالت ہی سے ہوچکی تھی☆۴۔ خلفائے راشدین نے بھی اِس سلسلے میں خدمت انجام دی لیکن اِس سبب سے کہ قرآنِ حکیم کی تدوین و اشاعت کا کام مکمل نہ ہوا تھا، تدوینِ حدیث کے کام کو ملتوی کرنا پڑا تاکہ عبارتیں خلط ملط نہ ہوجائیں☆۵۔ بہرحال جمعِ قرآن کے بعد حدیث کی تدوین اور اشاعت میں ترقی اور وسعت پیدا ہوئی کیوں کہ فقہ، تفسیر اور سیر و مغازی کا تعلق کسی نہ کسی طور پر حدیث ہی سے ہے، اس لیے فقہا، مفسرین اور اربابِ سیر اعلیٰ درجے کے عالمِ حدیث بھی ہوتے تھے اور اُنھوں نے اپنے اپنے فن میں اِس سرچشمہٴ علم سے استفادہ بھی کیا ہے۔ اِس اعتبار سے بھی خلافتِ بنوامیہ اور بنوعباس میں علمِ حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔

مندرجہٴ بالا اجمال سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

تیسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کا کام اپنی تکمیل کو پہنچا اور حدیث کی مستند کتابیں اِسی صدی میں تصنیف ہوئیں، گویا حسین بن منصور بیضاوی کی ولادت (۲۴۴ھ) سے قبل تدریسِ حدیث کی ایک خاص فضا موجود تھی۔

فقہ

فقہ کے لغوی معنی جاننا، اور اصطلاحی معنی ''قانون'' ہیں۔☆۶ اسلامی فقہ یا قانون کے ماخذوں سے متعلق ایک حدیث مشہور ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپؐ نے اُن سے دریافت فرمایا، اے معاذ، تم اپنے فیصلے کس طرح کرو گے۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم مطلوبہ چیز اِس میں نہ پاؤ تو کیا کرو گے۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنّت کے مطابق عمل کروں گا۔ اِس جواب کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید دریافت فرمایا کہ اگر تم اِس میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے۔

70041

Marfat.com

حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے کے مطابق کوشش کروں گا اور کوئی کسر باقی نہ چھوڑوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے۔☆۷ اس حدیث شریف کے مطابق فقۂ اسلامی کے تین بنیادی ماخذ ہیں۔ (۱) قرآنِ حکیم، (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، (۳) اجتہاد۔ چوتھا ماخذ ''اجماع'' ہے یعنی کسی بات پر علمائے امت کا متفق ہوجانا لیکن جیسا کہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ بحیثیت ایک ماخذِ قانون، اجماع، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شامل ہوا، آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں اجماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔☆۸

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تاریخِ فقہ کی صورتِ حال یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں عراق، ایران، مصر اور شام کے علاقے فتح ہوئے، اِن کے بعد خلافتِ بنو امیہ میں سندھ اور اندلس بھی اسلامی لشکر کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ اِن علاقوں کی کثیر آبادی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ مختصر یہ کہ رقبے کے اعتبار سے ہزاروں میل کا وسیع علاقہ خلفائے بنو امیہ اور بنوعباس کے زیرِ نگیں تھا۔ کروڑوں انسانوں کی کثیر آبادی میں روزمرّہ زندگی کے معاملات میں پیچیدگی پیدا ہونا قطعی طور پر فطری تھا۔ اِن مسائل کو فقہا نے کتاب و سنت اور اجتہاد و اجماع کی بنیاد پر حل کیا اور اِنھیں مدوّن کیا۔ دوسری صدی ہجری میں جس میں بنو امیہ اور بنوعباس کا دورِ خلافت مشترک ہے، امام ابوحنیفہؒ (م۱۵۰ھ) امام مالک بن انسؒ (م۱۷۹ھ) اور امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کی مساعی سے تدوینِ فقہ کے کام کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ) نے تیسری صدی ہجری میں تدوینِ فقہ میں اپنا لازوال کردار ادا کیا☆۹۔ یہی صدی تدوینِ فقہ کی تکمیل کی صدی ہے۔

اسلامی فقہ کے علما کا سلسلۃ الذہب حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے شروع ہوکر تیسری صدی کے فقہا تک پہنچتا ہے۔ اِس مختصر روداد کا مطالعہ اگر سورۂ ابراہیم کی آیت ۲۴ کی

Marfat.com

روشنی میں کیا جائے تو اُس دینی فضا کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے جو فقہا کی مساعی سے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئی۔

"اچھی بات کی مثال ایک اچھے درخت کی طرح ہے۔ اُس کی جڑ تو زمین میں گڑی ہوئی رہتی ہے لیکن اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔"

(سورۂ ابراہیم آیت ۲۴)

تفسیر

تفسیر علمِ حدیث ہی کی ایک شاخ ہے۔ ابتدا میں حدیث میں فقہ، تفسیر اور تاریخ و سیرت شامل تھے اور محدثین اِن سب کی روایت مخلوط طور پر کرتے تھے۔ خلافتِ امویہ کے آخری اور عبّاسیہ کے ابتدائی دور میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ بزرگوں نے مجموعہ حدیث کے اجزا علاحدہ علاحدہ کرلیے، مثلاً امام مالکؒ نے فقہی احکام کو ایک مجموعے کی شکل دی اور اُس کا نام "موطا" رکھا۔ محمد بن اسحٰق نے سیرت سے متعلق روایتوں کو ایک جگہ جمع کر کے فنِ سیرت کو مستقل فن بنا دیا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ہر جزو سے متعلق احادیث کو الگ الگ کر کے جمع کیا جن میں ایک مستقل موضوع "کتاب التفسیر" بھی ہے۔☆۱۰

تفسیری تصانیف میں دو رجحان واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ایک نقلی طریقہ جس میں روایات نقل کی گئی ہیں اور دوسرا عقلی استدلال کا طریقہ جو مختلف اعتقادی فرقوں جبریہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ کے ظہور میں آنے کے بعد رائج ہوا۔ ابتدائی زمانے کی تفسیروں میں نقلی طریقہ غالب تھا۔ تفسیر ابنِ عبّاسؓ، تفسیر ابنِ جریج، تفسیر سدی، تفسیر مقاتل ابن سلیمان اور تفسیر ابن اسحٰق اِس روش کی نمائندگی کرتی ہیں☆۱۱۔

عبّاسی دور میں جب علوم و فنون کی تدوین ہوئی تو اُس کا اثر علمِ تفسیر پر بھی پڑا، چنانچہ نحویوں نے قرآن مجید کو اپنے اصوٗل کا ماخذ بنایا۔ لغویوں نے الفاظِ غریبہ پر کتابیں لکھیں۔ فقہا نے آیاتِ قرآنی سے استفادہ کیا۔ متکلمین نے اپنے اپنے عقائد

Marfat.com

کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیتوں کی تاویل کی۔ اِس طرح اربابِ نقل و عقل میں مستقل نزاع پیدا ہوگئی۔☆۱۲ مولانا عبدالسلام ندوی کا خیال ہے کہ متکلمین کے لیے عقلی تفسیروں کے سوا کوئی اور صورت نہ تھی کہ وہ یہود، نصاریٰ اور ملاحدہ کے اعتراضات کا عقلی استدلال کے ساتھ جواب دیں اور بحث میں اُنھیں خاموش کر دیں۔☆۱۳

عبّاسی دور میں عقلی اور نقلی دونوں طریقوں پر لکھی گئی تفسیریں موجود تھیں اور اِس شعبے میں بھی دین کے محافظوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اِس جہت میں بھی اُن کے مساعی لائقِ صد تحسین ہیں کہ اُنھوں نے قرآن فہمی کے سلسلے میں بعض راہوں کی نشان دہی کی۔

سیر و مغازی

علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبیؐ'' جلد اوّل کے مقدمے میں تحریر کیا ہے کہ محدثین اور اربابِ رجال کی اصطلاحِ قدیم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چناں چہ ابنِ اسحٰق (م ۱۵۰ یا ۱۵۱ھ) کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابنِ حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔☆۱۴

سیر و مغازی ہی سے متعلق علامہ مرحوم نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ فن (سیر و مغازی) فن حدیث سے الگ ایک چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر اربابِ سیر اور محدثین دو مقابل گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ بعض واقعات میں ایسی صورت پیدا ہوجاتی ہے کہ تمام اربابِ سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ ایک طرف☆۱۵۔ اربابِ سیر اور محدثین کا یہ اختلاف دراصل صحتِ روایت کے معیار اور اصول کے تعیّن کے سبب سے ہے۔ اوّل الذکر کے ہاں نقلِ روایت میں احتیاط کم ہے اور موخر الذکر روایت کی تنقید اور تحقیق میں سخت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اِسی بنا پر علامہ شبلی نعمانی نے سیر و مغازی اور فنِ حدیث کو الگ الگ فن قرار دیا ہے۔ بہرحال

Marfat.com

تیسری صدی ہجری تک سیر و مغازی کا فن پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا تھا۔

اِن معروضات کے بعد اُن علوم کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جو اگرچہ عقائد، عبادات اور معاملات سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتے لیکن اُن کی ترقی اور اشاعت نے علم میں وسعت اور فکری ماحول میں غیر معمولی تبدیلی پیدا کی۔

عقلی اور سائنسی علوم کی ترویج

علومِ غیر شرعیہ کے حصول کی کوشش خلافتِ بنو امیہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید نے یونان سے قدیم علوم کی متعدد کتابیں منگائیں اور عربی زبان میں اِن کے ترجمے کرائے۔ اُس نے خود بھی علمِ کیمیا اور طب پر چند رسالے تحریر کیے☆۱۶۔

عہدِ عباسیہ میں خلیفہ ابو جعفر منصور (عہدِ خلافت از ۱۳۶ تا ۱۵۸ھ) نے ''دارالترجمہ'' کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا اور یونانِ قدیم کی کتابوں کے عربی ترجمے کرائے۔ یہ گویا مسلمانوں کا یونانی فلسفے سے آگہی کا پہلا قدم تھا۔ منصور نے ایک عیسائی طبیب کو جس کا نام جارج تھا، علمِ طب کی کتابوں کا ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ اِسی زمانے میں مشہور نصیحت آموز کتاب کلیلہ اور دمنہ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوا نیز سنسکرت کی چند کتابیں اور اقلیدس کے رسالے عربی میں منتقل ہوئے۔☆۱۷

ہارون الرشید (عہدِ خلافت از ۱۷۰ تا ۱۹۳ھ) نے خلیفہ منصور کے قائم کردہ ''دارالترجمہ'' کا نام تبدیل کر کے ''بیت الحکمت'' رکھا اور مختلف اقوام و مذاہب کے اہلِ علم کو بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھا اور بہت سی کتابوں کے ترجمے عربی میں کرائے۔☆۱۸

مامون الرشید (عہدِ خلافت از ۱۹۸ تا ۲۱۸ھ) نے ذاتی توجہ سے علمی ترقی کو عروج پر پہنچایا۔ اُسے فلسفہ اور منطق سے گہرا لگاؤ تھا، چنانچہ اُس نے قیصرِ روم سے اِن اصناف کی کتابیں حاصل کیں اور اُن کے ترجمے کرائے۔ اس طرح سقراط،

Marfat.com

افلاطون، ارسطو اور اِن سے قبل کے یونانی حکما بقراط، جالینوس اور بطلیموس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں☆۱۹۔

عہدِ مامونی میں متعدد مترجمین نے مل کر فلسفہ، منطق، ریاضی، ہندسہ اور نجوم کی کتابیں ترجمہ کیں☆۲۰۔ ان اقدامات کے علاوہ مامون نے شماسیہ میں ایک رصدگاہ قائم کی، جس کا نام ''رصد مامونی'' تھا۔ اِس رصدگاہ کے قیام سے علمِ ہیئت کو بے حد ترقی حاصل ہوئی۔ خلیفہ مامون نے دو مقامات میدانِ سنجار اور صحرائے کوفہ سے زمین کی پیائش کرائی۔ اِس پیائش سے معلوم ہوا کہ زمین کا محیط چوبیس ہزار میل ہے۔☆۲۱ اِسی زمانے میں ایک ہیئت داں ابوالحسن نے دوربین ایجاد کی☆۲۲۔ علوم کی یہ ترقی اور اشاعت بعد کے خلفائے عبّاسیہ کے دورِ حکومت میں بھی برقرار رہی۔

اِن تمام علمی جہتوں کا ایک مختصر جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا لیکن اِس سے قبل زیرِ نظر عصری صورتِ حال کے ایک اہم پہلو یعنی علمِ کلام اور اُس کے اثرات کی نشان دہی ضروری ہے۔

علمِ کلام کی ترویج و ترقی

غیر مسلم اقوام سے میل جول اور اُن کے علوم کے عربی زبان میں تراجم ہونے نیز اعتقادی مسائل پر بحث و مباحثہ کی گرم بازاری کے باعث علمِ کلام وجود میں آیا۔ اِس کا مقصد عقلی استدلال سے اسلامی عقائد پر اعتراضات کا جواب دینا اور اُن کی حقانیت کو ثابت کرنا تھا، اِس لیے علمائے امّت نے علمِ کلام کو بھی علومِ شرعیہ میں شامل کیا ہے۔☆۲۳

دوسری صدیِ ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے نصف تک علم کلام کی مذکورہ حیثیت منفی اثرات کی زد میں آ گئی۔ اِس دور میں ایک اعتقادی فرقے نے جسے معتزلہ کہا جاتا ہے، بہت زور پکڑا۔ خلافتِ عبّاسیہ میں معتزلہ کو ابوجعفر منصور سے واثق باللہ تک خلفا کی سرپرستی حاصل رہی۔ معتزلہ نے بعض ایسے عقائد وضع کیے جو سلفِ صالحین کے مسلّم عقائد کے منافی تھے۔☆۲۴

Marfat.com

معتزلہ کے معروف اصول و عقائد یہ تھے:

(الف) انسان اپنے اعمال میں مختارِ کل ہے۔ جزا و سزا اُس کے اختیار ہی سے منتج ہوگی۔

(ب) قرآن حادث و مخلوق ہے۔ معتزلہ یہ بھی کہتے تھے کہ قرآن کے خیالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر القا ہوئے اور اُن خیالات کو آپؐ نے الفاظ کا جامہ پہنایا۔ (نعوذ باللہ)

(ج) معتزلہ رویتِ باری تعالیٰ کے قائل نہ تھے وہ کہتے تھے کہ موت کے بعد انسان عقل و شعور سے اللہ تعالیٰ کو محسوس کرے گا۔

(د) وہ یہ بھی کہتے تھے کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین معاشرت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔☆۲۵

معتزلہ کے اِن عقائد میں سب سے زیادہ فتنہ خلقِ قرآن نے پیدا کیا۔ مامون اور معتصم نے جبراً اِس عقیدے کو منوانے کی کوششیں کیں اور صلحائے امّت پر ظلم و ستم ڈھانے کی حد کردی لیکن امام احمد حنبلؒ اور محمد بن نوح نے اِس جبر کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار کردیا اور تاریخِ عالم میں استقامت کے ایک نئے باب کو رقم فرمایا۔ رحمتہ اللہ علیہم۔☆۲۳

فکری ماحول کا تجزیہ

حسین بن منصور کے عصر (تیسری صدی ہجری) تک اسلامی مملکت کی حدود میں علمی اور فکری ماحول کی یہ صورتِ حال تھی جس کا اجمال گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا۔ اِس صورتِ حال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فلسفہ، منطق اور الٰہیات وغیرہ کی ترویج و اشاعت اور خلفائے عباسیہ کی بے جا سرپرستی نے فکری سطح پر سنگین صورتِ حال پیدا کردی تھی، حتّٰی کہ اسلام کے بنیادی عقائد و اصول اس سیلاب کی زد میں آچکے تھے لیکن اسلام بہ حیثیت ایک کامل اور مکمل دین کے اپنی اِساس میں ایسی لازوال خوبیاں اور توانائیاں رکھتا ہے کہ حوادثِ روزگار کی چیرہ دستیاں اور فکری نراجیت اُسے نقصان

Marfat.com

پہنچانے سے قاصر رہتی ہیں۔ دوسری طرف صلحائے امّت نے ہر دور میں نامساعد حالات کا اِس سکینت بخش وعدے کے سہارے سامنا کیا اور سرخ رُو ہوئے کہ:

''تم (کچھ) غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔'' ☆۲۷

آج قدریہ، جبریہ، مجسمہ، معتزلہ اور اُن کے افکار تاریخ کی داستانِ پارینہ ہیں اور اسلام باوجود سخت مسائل کے اُنھی علاقوں میں تابندہ و پایندہ ہے جو مذکورہ اعتقادی فرقوں کی فکری نراجیت کے چنگل میں گرفتار تھے۔ یہی نہیں بلکہ تاریخِ اسلام کا یہ واقعہ تو حد درجے حیرت ناک ہے کہ بغداد کو یکسر تباہ کرنے والے تاتار و مغول ایک صدی گزرنے سے پہلے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے☆۲۸ اور اُسی قوم کے زمانے میں اسلام نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔

خلافتِ عبّاسیہ میں باطل فرقوں کا ظہور

اعتقادی فرقوں کے فکری خلفشار کے علاوہ خلافتِ عبّاسیہ میں متعدد باطل فرقے بھی پیدا ہوئے جن کا مختصر حال ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

پس منظر:

فتحِ ایران سے قبل اِس علاقے میں اکثر آبادی کا دین مجوسیت یا مانویت تھا۔ مجوسیت کا بانی زرتشت (۶۶۰ تا ۵۸۳ ق م) تھا۔ زرتشت کے پیرو آگ کی پرستش کرتے اور دو خداؤں اہور مزدا اور اہرمن کو مانتے تھے۔ یہ دین، توحید کے برعکس، ثنویت پر مبنی تھا اور عجیب وغریب دیو مالائی عناصر کا طومار تھا۔☆۲۹

مذہب مانی کا بانی عراق کے شہر طیغون میں پیدا ہونے والا مانی ہی تھا۔ وہ ۲۱۵ء میں پیدا ہوا۔ مانی بھی ایک خدا کے بجائے دو خداؤں کا قائل تھا۔ اُس کے مذہب کے کچھ صحائف ۱۹۰۴ء میں دریافت کیے گئے ہیں۔ مانی نے دس احکام کی بجاآوری کی تعلیم دی۔☆۳۰

اسلام سے قبل ایران میں ایک شخص مزدک نے بھی ایک نئے دین کی بنا ڈالی

Marfat.com

جس کے اصول اشتراکیت سے ملتے جلتے تھے۔ اِس مذہب کی رُو سے ہر شخص ہر چیز میں برابر کا شریک تھا۔ ایرانی بادشاہ نوشیرواں جو عدل و انصاف کی وجہ سے نوشیروانِ عادل مشہور ہے، اس مذہب کا سخت دشمن تھا۔ اُس کے دور میں یہ مذہب نیست و نابود ہوگیا۔☆۳۱ اِس مذہب کے ایک پیرو جاویدان کا ذکر آئندہ پیش کیا جائے گا۔ اِس پس منظر میں جن مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے، اُن کے کچھ عکس و پرتو اُن باطل فرقوں کے ظہور میں نظر آئیں گے جن کا مختصر حال یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

فرقۂ راوندیہ بہ عہدِ خلافت ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ)

یہ ایک چھوٹا سا عجمی فرقہ تھا۔ یہ عقیدۂ تناسخ پر یقین رکھتا تھا۔ اِس کا عقیدہ تھا کہ آدمؑ کی روح عثمان بن نہیک میں حلول کرگئی ہے۔ یہ فرقہ عباسی خلیفہ منصور کو خدا کہتا تھا اور ہیثم بن معاویہ کو جبریل مانتا تھا۔ یہ لوگ ۱۴۱ھ میں منصور کے محل کے گرد جمع ہوگئے اور شور مچانے لگے کہ یہ ہمارے رب کا محل ہے۔ منصور نے اُن کے دو سو سرداروں کو قید کردیا جس پر یہ فرقہ برہم ہوگیا اور قید خانہ توڑ کر اپنے سرداروں کو رہا کرالیا۔ چھ سو بلوائیوں نے منصور کے محل پر حملہ کردیا۔ منصور محل سے نکل آیا اور اُن سے جنگ کی۔ اس جنگ میں ایک روپوش مجرم معن بن زائدہ نے ظاہر ہوکر منصور کی مدد کی اور بلوائیوں کو شکست دی۔ اِس طرح یہ فتنہ فرو ہوا۔☆۳۲

مقنع خراسانی کا فتنہ بہ عہدِ مہدی بن منصور (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ)

مہدی بن منصور کے زمانۂ خلافت میں مقنع خراسانی نے جو مرو کا باشندہ تھا، الوہیت کا دعویٰ کیا۔ وہ یک چشم تھا، چنانچہ اِس عیب کو چھپانے کے لیے سونے کا چہرہ منہ پر چڑھائے رہتا تھا، اِسی بنا پر لوگوں میں ''مقنع'' یعنی نقاب پوش مشہور ہوگیا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا آدم کو پیدا کر کے اُن میں حلول کرگیا تھا۔ اِس کے بعد نوح علیہ السلام میں، اِسی طرح مختلف انسانوں کے قالب میں منتقل ہوتا ہوا ابو مسلم خراسانی میں منتقل ہوا اور اب مجھ میں جلوہ گر ہوا ہے۔ وہ شعبدہ بازی سے مصنوعی آفتاب طلوع کر کے دکھاتا

Marfat.com

تھا۔ سادہ لوح عوام اُس کے جال میں پھنس کر اُس پر ایمان لے آئے۔ چند دنوں میں اُس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ گئی اور تاخت و تاراج شروع کردی۔ ۱۶۱ھ میں مہدی نے معاذ بن مسلم اور سعید حرشی کو اُن کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ باغی پے در پے شکست سے مجبور ہوگئے۔ جب بچنے کی کوئی صورت نہ رہی تو مقنع نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگ میں کود کر خودکشی کرلی۔☆۳۳

بابک خرمی کا فتنہ بہ عہدِ خلافت مامون الرشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ)

۲۰۱ھ میں مامون کے زمانۂ خلافت میں ایک باطنی عجمی بابک خرمی ایک نئی تحریک لے کر اٹھا جو اُس کے نام کی نسبت سے خرمی تحریک کہلائی۔ مزدکی مذہب کے ایران سے مٹنے کے بعد سب سے پہلے ایک مجوسی نے جس کا نام جاویدان تھا، اِس مذہب کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے عجمی مذاہب کی طرح جاویدان کے پیرو بھی تناسخِ ارواح کے قائل تھے۔ قتل و خوں ریزی اور زنا اس مذہب میں کوئی جرم نہ تھا۔ جاویدان کی موت کے بعد بابک خرمی نے دعویٰ کیا کہ جاویدان کی روح اُس میں منتقل ہوگئی ہے۔ بابک نے صوبہ آذر بائیجان پر قبضہ کرلیا اور خراسان تک اپنے اقتدار کو وسیع کیا۔ مامون کے عہدِ خلافت میں اُس کے خلاف کئی معرکے واقع ہوئے لیکن اُس پر قابو نہ پاسکے۔ آخر میں معتصم کے عہدِ حکومت (از ۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) میں بابک خرمی کی شورش کا خاتمہ ہوا۔☆۳۴

ایک مدعیِ نبوت بہ عہدِ خلافت متوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۶ھ)

۲۳۵ھ میں ایک شخص محمود بن فرج نیشاپوری نے سامرا میں نبوت کا دعویٰ کیا کہ وہ ''ذوالقرنین'' ہے اور ایک خود ساختہ کتاب پیش کی کہ وہ قرآن ہے جو جبریل کی وساطت سے اُس پر نازل ہوا ہے، لیکن ابھی اُس پر ستائیس آدمی ایمان لائے تھے کہ اُسے پکڑ کر متوکل کے دربار میں پیش کیا گیا اور قتل کر دیا گیا اور اُس کی امت قید کردی گئی۔☆۳۵

Marfat.com

خلافتِ عبّاسیہ میں اگر باطل قوتوں کے ظہور کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ہم اِس تجزیے تک بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں کہ یہ اُسی تدبیر اور منصوبے کی بازگشت تھے جسے اختیار کر کے عبّاسیوں نے امویوں سے اقتدار حاصل کیا تھا۔ بلاشبہ عبّاسی بھی ایک سیاسی تحریک کے ذریعے برسرِاقتدار آئے، اِس کے لیے انھوں نے محبّتِ اہلِ بیت کو اپنے سیاسی عزائم کی آڑ بنایا۔ اِسی طرح بابک خرّمی اور مقنع خراسانی کا مقصد بھی سیاسی تھا، جس کے لیے اُنھوں نے چند باطل عقیدوں کو اپنے عزائم کی سپر بنایا۔ عبّاسیوں کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر سختی کے ساتھ قائم رہے اور کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف خیال کیا جاتا جب کہ بابک خرّمی اور مقنع خراسانی کی ناکامی کا سبب باطل عقائد کا کم زور سہارا تھا۔

اِس کے علاوہ باطل قوتوں کے ظہور سے یہ نتیجہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اہلِ عجم کی اکثریت اگرچہ داخلِ اسلام ہوچکی تھی لیکن اُنھیں میں ایک معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی ضرور موجود تھی جو قدیم تصورات اور توہمات سے رستگاری حاصل نہ کرسکی تھی۔ چنانچہ ذرا سی شعبدہ بازی اُن کے قدیم توہمات میں ارتعاش پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

خلافتِ عبّاسیہ میں ضعف و انتشار کے آثار

زیرِ نظر باب میں، اب تک جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اُن کا تعلق تیسری صدی کی اُس جہت سے ہے جسے بجا طور پر خلافتِ بنوعبّاس کا عہدِ زرّیں کہا جاسکتا ہے۔ اِسی صدی کی دوسری جہت اُن کے زوال کی داستان ہے۔ گویا یہ ایسی تعمیر تھی، جس میں خرابی کی ایک صورت بھی مضمر تھی اور وہ صورتِ خرابی یہ تھی کہ اگرچہ خلافتِ بنوعبّاس میں ابتدا ہی سے عجمی سرداروں کا اثر و رسوخ غالب تھا، لیکن متوکل علی اللہ (م۲۴۶ھ) کے عہد سے ترکوں نے اتنی قوت حاصل کرلی تھی کہ خلیفہ برائے نام خلیفہ ہوتا تھا، ملک پر حکمرانی ترکانِ دولت اور سردارانِ عساکر کرتے تھے☆۲۶، حتّٰی کہ زیرِنظر صدی جس میں بارہ خلفا تختِ خلافت پر متمکن ہوئے، اُن میں سے تین خلفا

Marfat.com

یعنی متوکل (م۲۴۶ھ) مہتدی (م۲۵۶ھ) مقتدر (م۳۲۰ھ) سرداروں کے ہاتھوں قتل ہوئے☆۳۷۔ منتصر باللہ کی موت زہریلا نشتر دیے جانے سے واقع ہوئی۔ مستعین باللہ کو قید کیا گیا اور معتز کو خلافت سے دست بردار ہونا پڑا۔

اِس اجمال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلفائے بنوعباس کی بے چارگی اور بے بسی کے آثار تیسری صدی ہجری ہی سے ظاہر ہونے شروع ہوچکے تھے۔ اِس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ خلیفۂ وقت کے ہوتے ہوئے چند خاندانوں نے حدودِ خلافت میں اپنی آزاد اور خودمختار حکومتیں قائم کرلی تھیں۔

اِن خود مختار حکومتوں میں ایک حکومتِ زیادیہ یمن تھی جو ۲۰۳ھ میں قائم ہوئی۔ اِس کا بانی محمد بن زیاد تھا جو زیاد بن ابی سفیان کی اولاد سے تھا۔ حکومتِ زیادیہ یمن نے عباسی خلفا کا نام خطبے سے خارج کردیا تھا۔ دوسری حکومتِ طاہریہ تھی۔ دولتِ طاہریہ کا بانی طاہر بن حسین تھا، جسے مامون نے ۲۰۵ھ میں خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اِس خاندان نے پچاس سال حکومت کی۔ خراسان میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا لیکن اندرونی انتظام میں خلیفہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ تیسرا خاندان صفاریہ تھا۔ ۲۵۴ھ میں یعقوب بن لیث صفاری نے فارس پر قبضہ کر کے اِس صوبے کو خلافتِ عباسیہ سے الگ کرلیا۔ پھر ۲۵۹ھ میں خراسان پر بھی قابض ہوگیا۔ چوتھی آزاد خودمختار حکومت دولتِ سامانیہ تھی جو تیسری صدی کے آخری عشرے یعنی ۲۹۰ھ میں علاقہ ماوراء النہر اور خراسان میں قائم ہوئی اور سوا سو سال تک بے غل وغش حکومت کرتی رہی۔☆۳۹

اِسی عصر میں علویوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد) نے کئی بار عباسیوں کے خلاف خروج کیا۔ مستعین باللہ کے دورِ خلافت (۲۴۸ تا ۲۵۱ ہجری) میں علویوں نے طبرستان میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ اُس کے سربراہ حسن بن زید تھے جنھوں نے جرجان اور طبرستان پر ۲۷۰ھ تک حکومت کی۔

حسن بن زید کی دعوت کے سلسلے میں علویوں اور عباسیوں کی ''مسودہ'' (سیاہ

وردی پہننے والی فوج) کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ محمّد بن جعفر، جو رے میں رضا آلِ محمّد کی دعوت دے رہے تھے، گرفتار کیے گئے اور قید ہی میں اُن کی وفات ہوئی۔ محمّد بن جعفر کے بعد احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب رضا آلِ محمّد کے داعی بنے۔ اُن کی شکست کے بعد حسن بن اسمٰعیل بن محمّد بن عبداللہ بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سربراہ بنے۔ طبرستان میں علویوں کی حکومت ۲۵۰ھ سے ۳۱۶ھ تک قائم رہی۔ (ملاحظہ فرمائیں، تاریخ اسلام حصّہ سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی صص ۱۵۸ تا ۱۶۰)

درباری امرا اور عسکری سربراہوں کے ہاتھوں عبّاسی خلفا کے قتل، برطرف اور قید کیے جانے کے واقعات نیز خلافت کے سربرآوردہ منصب داروں اور صوبے داروں کا خود مختار حکومتیں قائم کرنا، خلفائے عبّاسیہ کے ذاتی کردار کے ضعف کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اِس کے علاوہ بہ حیثیت مجموعی عام رعایا جس بے یقینی اور ہمہ وقت خوف و اضطراب کی حالت میں شب و روز زندگی گزارتی رہی، اُس کا ایک موہوم سا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اِس عام خلفشار اور ابتری کے دور میں دو ایسے اہم واقعات بھی ظہور میں آئے جو حقیقی معنوں میں خلافت عبّاسیہ کے لیے مستقل خطرہ بنے رہے اور جن کے ممکنہ نتائج کے اندیشے سے خلافت کے وفادار اعیانِ حکومت اِن فتنوں کے فرو ہونے تک پریشان و مضطرب رہے۔ اِن میں سے ایک واقعہ، صاحب الزّنج کی بغاوت اور دوسرا قرامطہ کا ظہور تھا۔ موخرالذکر واقعہ، صاحب الزّنج کی بغاوت سے زیادہ خطرناک اور ہیبت انگیز تھا۔ یہ اِس لیے کہ قرامطہ کی تحریک، جیسا کہ اُن کا معیّن طریقہ تھا، خفیہ اور زیرِ زمین جاری رہتی تھی اور اُن کے منصوبوں کے مطابق مناسب وقت پر ظاہر ہوتی تھی۔ پہلے اُنھوں نے اپنا صدر مقام عراق و فارس کو بنایا۔ اِس کے بعد وہ شام منتقل ہوگئے۔ وہاں سے حجازِ مقدس کا رخ کیا۔ چنانچہ اِسی تاخت و تاراج کے زمانے میں قرامطہ نے حرم شریف کی تکریم کو دانستہ پامال کیا اور خانۂ کعبہ سے حجرِ اسود اکھاڑ کر

اپنے ساتھ لے گئے۔ اِسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ بعد میں مصر کی فاطمی حکومت کے حکم پر انھوں نے حجرِ اسود کو واگزار کیا۔

یہ تمام واقعات مع علوم کی اشاعت اور فکری انقلاب کے، حسین بن منصور بیضاوی کے عصر یعنی تیسری صدی ہجری میں وقوع پذیر ہوئے ہیں اور اُن کی شخصیت، کردار اور فکری رویے پر اثر انداز ہوئے ہیں، جن کی نشان دہی مناسب مقامات پر کی جائے گی۔ فی الوقت تاریخ نے موخرالذکر دو واقعات کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، یہاں اُن کا اجمال پیش کیا جاتا ہے۔

صاحب الزّنج کی بغاوت بہ عہدِ خلافت مہتدی باللہ (۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ)

مہتدی باللہ کے زمانے میں سب سے بڑی انقلاب انگیز شورش زنگیوں نے کی جس سے سارے عراق میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ اُس زمانے میں کسی تحریک کا سب سے بڑا ہتھیار علوی دعوت کا تھا۔ چنانچہ ایک شخص علی بن عبدالرحیم نے حبشی غلاموں کو ساتھ لے کر خروج کیا۔ پہلے وہ بحرین پہنچا جو شیعیانِ علی کا مرکز تھا۔ وہاں اُس نے خود کو علی بن محمّد بن احمد بن عیسےٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ظاہر کیا۔ یہ شورش پندرہ سال تک جاری رہی۔ ۲۷۰ھ میں بہ عہدِ خلافت معتمد علی اللہ (از ۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ)، علی بن عبدالرحیم کے قتل کے بعد اِس شورش کا خاتمہ ہوا۔ شاہ معین الدین احمد ندوی نے تحریر کیا ہے کہ علی بن عبدالرحیم کا دعویٰ تو علویت (غیر فاطمی اولادِ علیؑ) کا تھا اور عقائد خوارج کے تھے۔☆۴۰

به بین تفاوتِ رہ تا کجاست تا بہ کجا
(یہ دیکھو کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے)

قرامطہ کا ظہور

۲۷۸ھ میں بہ عہدِ خلافت معتمد علی اللہ قرامطہ کا ظہور ہوا۔ قرامطہ بھی فرقۂ باطنیہ کی ایک شاخ تھے۔ بعد میں اِس تحریک میں بہت سے عقائد شامل ہوگئے۔ عہدِ

Marfat.com

عباسیہ میں مخالف تحریکوں کی طرح اس تحریک نے بھی اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کے لیے اہلِ بیت نبوی کی محبّت کو بہانہ بنایا۔ اِس تحریک کا بانی حمدان قرمط تھا، یہ سوادِ کوفہ کے ایک مقام نہرین سے ظاہر ہوا۔ زاہدانہ لباس پہنتا اور شبانہ یوم نماز میں مشغول رہتا تھا۔ جب عام لوگ اُس کے پاس آنے جانے لگے تو اُس نے "امام منتظر" کی دعوت دینی شروع کردی۔ لوگوں کی ایک جماعت اُس کی دعوت میں شامل ہوگئی۔ اُس نے ایک آسمانی کتاب کا بھی دعویٰ کیا۔ اُس کے مذہب میں چار رکعت نماز فرض تھی، دو طلوع آفتاب سے قبل اور دو غروب سے پہلے۔ کعبے کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا تھا۔ جس آسمانی کتاب کا اُس نے دعویٰ کیا تھا، اُس کی ایک تعلیم یہ تھی کہ قریہ نصرانہ کا ایک باشندہ فرج بن عثمان داعیِ مسیح ہے، کلمہ ہے، مہدی ہے، احمد بن محمد بن حنفیہ ہے، جبریل ہے نیز مسیح نے انسانی پیکر میں آکر اس سے کہا کہ "تم داعی ہو، حجّت ہو، ناقہ ہو، دابہ ہو، یحییٰ بن زکریا ہو، روح القدس ہو۔" ☆۴۱

جب قرمطی تحریک دہقانیوں میں پھیلنے لگی تو قرمط نے مختلف مقاموں پر اُس کی تبلیغ کے لیے بارہ نقیب مقرر کیے۔ جو شخص اِس دعوت میں شریک ہوتا تھا اُس سے امام کے نام پر ایک دینار وصول کرتا۔ اُس کے پیرو زیادہ تر زراعت پیشہ تھے، اس لیے اُس کی اشاعت سے زراعت پر اثر پڑا۔ سوادِ کوفہ میں، امیر ہیثم کا علاقہ تھا، اُس کی آمدنی گھٹ گئی۔ اُس نے تحقیقات کی تو قرمط کا حال معلوم ہوا۔ اُس نے قرمط کو پکڑ کر بند کردیا۔ امیر ہیثم کی ایک لونڈی نے اپنے آقا سے چھپا کر اُسے قید سے نکال دیا۔ عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ قرمط اپنی کرامت سے غائب ہوگیا ہے۔ قرمط نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اُسے کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی، چوں کہ عراق کے قیام میں اُس کے لیے خطرات تھے، اِس لیے قرمط شام چلا گیا۔ ☆۴۲

۲۸۱ھ میں ایک قرمطی داعی یحییٰ بن مہدی نے قطیف میں دعویٰ کیا کہ وہ مہدیِ موعود کا داعی ہے، جن کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے۔ اُس نے مہدی کی جانب

سے ایک صداقت نامہ پیش کیا۔ قطیف اور بحرین کے شیعیانِ علی نے اُس کی دعوت قبول کرلی اور مالی امداد کا وعدہ کیا۔ اُن میں سب سے اہم شخصیات ابوسعید جنّابی (قرمطی) ☆۴۳ کی تھی۔ بحرین کے والی کو اِن واقعات کا علم ہوا تو اُس نے یحییٰ کو پکڑ کر سزا دی۔ اُس کا معاون ابوسعید جنّابی بھاگ گیا۔ ۲۸۷ھ میں قرامطہ نے ہجر کے علاقے میں شورش برپا کی اور ابوسعید قرمطی نے بصرے پر حملے کا ارادہ کیا۔ عبّاسی خلیفہ معتضد (زمانۂ خلافت از ۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ) نے عبّاس بن عمرو غنوی والی فارس کو قرامطہ کے مقابلے کا حکم دیا۔ ابوسعید قرمطی نے عبّاس کو شکست دی اور اس کے علاوہ تمام قیدیوں کو آگ میں جلوا دیا☆۴۴۔ مختصر یہ تھا کہ تقریباً نصف صدی تک قرامطہ نے فتنہ و فساد برپا کیا، یہاں تک خانۂ کعبہ سے حجرِ اسود اکھاڑ کر لے گئے جسے پچیس سال بعد واپس کیا۔☆۴۵

حسین بن منصور بیضاوی کے عصر کا یہ باب اختتام پذیر ہوتا ہے۔ باب دوم میں اُن کے حالات کی تفصیلات اور دیگر مباحث تفصیلاً اور اجمالاً پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

حواشی

۱۔ تاریخ اسلام، جلد سوم و چہارم۔ مصنفہ شاہ معین الدین احمد ندوی، غضنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۷۵ء، صص ۲۰، ۲۲۳ اور ۲۲۴۔

۲۔ تاریخ اسلام۔ مصنفہ ڈاکٹر حمید الدین، چوتھا ایڈیشن، طبع دہم، لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۴۳۳۔

۳۔ تدوین حدیث۔ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی، کراچی ۱۹۵۶ء، ص ۸

۴۔ صحیفۂ ہمام بن منبہ۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حیدرآباد دکن ۱۹۵۵ء، صص ۲۴ اور ۲۵۔

۵۔ مقدمہ مشمولہ صحیفہ ہمام بن منبہ از پرنسپل رحیم الدین، ص م

۶۔ خطبات بہاول پور ۱۹۸۰ء از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، تیسرا خطبہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، اشاعت اول، ص ۶۶۔

۷۔ ایضاً صص ۶۵ اور ۶۶۔

۸۔ ایضاً ص ۶۹۔

۹۔ تاریخ فقہ اسلامی، مصنفہ علامہ محمد الخضری، مترجم مولانا عبدالسلام ندوی اسلام آباد، سال طبع ندارد، صص ۳۱۹، ۳۳۱، ۳۴۵ اور ۳۵۱۔

۱۰۔ امام رازی۔ مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی، اعظم گڑھ (بھارت) ۱۹۵۰ء، ص ۲۶۳۔

Marfat.com

۱۱۔ ایضاً ص ۲۶۶۔
۱۲۔ ایضاً صص ۲۶۶۔۲۶۷۔
۱۳۔ ایضاً ص ۲۶۷۔
۱۴۔ سیرۃ النبی، جلد اول، مقدمہ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد طبع چہارم ۱۹۸۵ء حاشیہ نمبر ا، ص ۸۔
۱۵۔ سیرۃ النبی جلد اول مصنفہ علامہ شبلی نعمانی، محولہ بالا، ص ۹۔
۱۶۔ تاریخ اسلام، مصنفہ ڈاکٹر حمید الدین، محولہ بالا، ص ۵۰۸۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۵۰۹۔
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۰۹۔
۱۹۔ ایضاً، صص ۵۰۹ اور ۵۱۰۔
۲۰۔ ایضاً، ص ۵۱۰۔
۲۱۔ ایضاً، ص ۵۱۱۔
۲۲۔ ایضاً، ص ۵۱۱۔
۲۳۔ عبقات، مصنفہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اردو ترجمہ مولانا مناظر احسن گیلانی، حیدرآباد دکن، سال طبع ندارد عبقہ ۶، ص ۳۴۳۔
۲۴۔ تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین، محولۂ بالا، ص ۵۱۲۔
۲۵۔ ایضاً، صص ۵۱۲۔۵۱۳ نیز ملاحظہ فرمائیں: مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، صص ۸۳۴ تا ۸۳۷۔
۲۶۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۵۱۵۔
۲۷۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۰۔
۲۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اوّل، مولانا ابو الحسن ندویؒ، کراچی، سال طبع ندارد، ص ۳۲۴۔
۲۹۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۳۰۶۔
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔
۳۱۔ تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین، ص ۴۹۷۔
۳۲۔ تاریخ اسلام، جلد سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی، محولۂ بالا، صص ۲۶ اور ۲۷۔
۳۳۔ ایضاً، ص ۵۳۔
۳۴۔ ایضاً، صص ۱۰۴، ۱۲۰، ۱۲۱۔
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۳۸۔
۳۶۔ تاریخ اسلام از ڈاکٹر حمید الدین، محولۂ بالا، صص ۵۵۳۔۵۵۴۔
۳۷۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ سوم، صص ۴۸، ۱۸۲، ۲۳۶۔
۳۸۔ تاریخ اسلام، حصہ سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی، صص ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۷۵۔
۳۹۔ تاریخ اسلام، حصہ دوم مصنفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، کراچی طبع پانزدہم، صص ۶۴۶ اور ۶۴۷۔
۴۰۔ تاریخ اسلام، حصہ سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی، صص ۱۷۸، ۱۸۸ اور ۱۸۹۔
۴۱۔ ایضاً، صص ۱۹۸ اور ۱۹۹۔
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔

Marfat.com

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶۔
قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ''ابوسعید جنابی قرمطی'' کا نام ذہن نشیں کرلیں، کیوں کہ اِس کا ذکر حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش قدس سرّہ کی ایک شہادت کے سلسلے میں آئے گا۔ ملاحظہ فرمائیں: کشف المحجوب فارسی مرتبہ پروفیسر مولوی محمد شفیع، لاہور، سال طبع ندارد، ص ۱۵۸ نیز انگریزی ترجمہ از رینالڈ، اے نکلسن، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۰۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرّہ کو حسین بن منصور بیضاوی سے ایک خاص تعلق خاطر تھا۔ حضرت قدس سرّہ نے اپنی تصنیف ''منہاج الدین'' میں (جواب ناپید ہے) حسین بن منصور کے حالات زندگی از ابتدا تا انتہا قلم بند فرمائے تھے، اُن کے کلام کی تشریح کی تھی اور اُن کے پچاس رسالوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: کشف المحجوب فارسی، صص ۱۵۹ اور ۱۶۰۔ اِن تمام حقائق کو ان شاء اللہ مناسب مقامات پر پیش کیا جائے گا۔

۴۴۔ تاریخ اسلام، حصہ سوم، محولۂ بالا ص ۲۰۶۔ ۲۰۷۔

۴۵۔ تاریخ اسماعیلیہ مصنفہ پروفیسر علی محسن صدیقی، مطبوعہ قرطاس کراچی، ۲۰۰۰ء صص ۵۱۔۵۲۔

OOO

Marfat.com

بابِ دوم

حسین بن منصور کے حالاتِ زندگی

ابنِ منصور کے سوانحی حالات کے مطالعے سے قبل ایک اہم پہلو پر غور کرنا ضروری ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ ایک ایسی شخصیت کے سوانحی حالات میں، جس کی ولادت اور موت کا درمیانی عرصہ بدامنی، خلفشار اور انتشار کی حالت میں گزرا ہو اور جس کے عصر میں اعتقادی فرقوں کے تعصّبات حد سے بڑھ گئے ہوں، افواہوں اور بے بنیاد باتوں کا خلط ملط ہونا فطری امر ہے۔ علاوہ ازیں ایسے شخص کے زمانۂ حیات کو اگر ہزار سال سے زیادہ گزر چکے ہوں تو سچ کو افواہوں سے علاحدہ کرنا ایک دشوار عمل ہے۔ ایسی صورتِ حال میں فنِ تاریخ نے کیا گنجائشیں پیدا کی ہیں، اس سے تو اربابِ فن ہی واقف ہوں گے لیکن ایک سادہ سا اصولِ عدل یہ ہے کہ اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہوجائے یا مشکوک قرار پائے تو موردِ الزام شخصیت کو الزام سے بری کرنا عینِ انصاف ہے۔

حسین بن منصور سے متعلق اکثر روایتیں اِسی ذیل میں آتی ہیں لیکن یہ مقام اُنھیں پیش کرنے کا نہیں ہے۔ فی الوقت چند حالات اجمالاً بیان کیے جاتے ہیں جن کا ماخذ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ) کی تصنیف ''تاریخِ بغداد'' ہے۔

راقم السطور نے ''تاریخِ بغداد'' کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے، اِس کے مترجم چودھری غلام رسول ہیں اور یہ ترجمہ خورشید نعیم ملک کی مرتب کردہ تصنیف ''حسین بن

منصور حلاج'' میں شامل ہے۔ قیاس ہے کہ خطیب بغدادی نے یہ واقعات حسین بن منصور کی وفات کے تقریباً ایک سو بیس سال بعد تحریر کیے ہوں گے (بُعدِ زمانی کا خیال پیشِ نظر رکھا جائے) خطیب بغدادی کا راوی ابو سعید مسعود بن ناصر ہے، جس نے یہ واقعات محمد بن عبداللہ بن باکو شیرازی سے سنے۔ محمد بن عبداللہ نے تستر میں یہ باتیں حسین بن منصور کے فرزند احمد بن حسین بن منصور سے سنیں۔

خطیب بغدادی کی رویت

"ابو سعید مسعود بن ناصر بن ابو زید بجستانی نے مجھ سے بیان کیا کہ اُنھیں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن باکو شیرازی نے خبر دی کہ انھیں احمد بن حسین بن منصور نے تستر میں بتایا۔ اُس نے کہا کہ میرے والد حسین بن منصور کی جائے پیدائش بیضا ہے جو طور میں واقع ہے اور تستر میں پرورش پائی۔ دو سال تک سہل بن عبداللہ تستری کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ پھر بغداد گئے۔ کسی وقت وہ کھردرا موٹا کپڑا پہنتے، کبھی وہ بے سلے رنگین کپڑوں میں رہے۔ کبھی دراعہ (لمبا کرتا) اور پگڑی پہنتے، کبھی سپاہیوں کے لباس کی مانند قبا پہن کر چلتے۔ تستر سے بصرہ تک پہلا سفر اٹھارہ سال کی عمر میں کیا۔ پھر دو خرقوں میں ملبوس ہو کر عمرو بن عثمان المکّی اور جنید بن محمد کی طرف گئے۔ عمرو المکّی کے ساتھ اٹھارہ مہینے مقیم رہے، پھر میری والدہ امّ الحسین بنت ابی یعقوب الاقطع سے شادی کی۔ اِس شادی سے عمرو بن عثمان سے تعلقات ناگفتہ بہ ہو گئے۔ اِن میں اور ابو یعقوب میں اِس وجہ سے بڑی وحشت اور نفرت بڑھ گئی۔

پھر میرے والد جنید بن محمد کے پاس چلے گئے اور اپنی قلبی اذیّت کا اظہار کیا جو ابو یعقوب اور عمرو بن عثمان کے درمیان

Marfat.com

مخالفت کی وجہ سے اُن کو پہنچی تھی۔ جنید نے صبر و سکون سے رہنے کی تلقین کی۔ دونوں کی خاطر داری کرتے رہو۔ ایک مدّت تک اِس اذیّت ناک حالت پر صبر کیا۔ پھر مکّہ کی طرف کوچ کیا۔ ایک سال قیام کرنے کے بعد فقرا کی ایک جماعت کے ساتھ بغداد وارد ہوئے اور جنید بن محمّد کے پاس گئے اور ایک مسئلے کے متعلق پوچھا لیکن اُنھوں نے اِس کا جواب نہ دیا۔ وہ بہت متوحش ہوئے۔ میری والدہ کو ساتھ لے کر تستر واپس لوٹے، اور ایک سال تک وہاں قیام کیا۔ اُنھیں اِس قدر قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی کہ اُس دور کے اکابرین نے اِس پر حسد کرنا شروع کردیا۔ عمرو بن عثمان اُن کے بارے میں خوزستان والوں کو برابر خطوط لکھتا رہتا تھا، جن میں اُس کے بارے میں بڑی بڑی باتوں کا دعویٰ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے صوفیہ کا لباس اتار دیا اور قبا زیب تن کرلی اور ابنائے دنیا کی صحبت اختیار کرلی۔ پھر تستر سے روانہ ہوگئے اور پانچ سال تک ہم سے غائب رہے۔ خراسان اور علاقہ ماوراء النہر پہنچ گئے۔ پھر وہاں سے سجستان اور کرمان میں وارد ہوئے۔ پھر فارس لوٹے اور لوگوں میں تبلیغ شروع کی۔ تبلیغی مجالس منعقد کرتے اور لوگوں کو راہ راست کی طرف بلاتے اور فارس میں ابو عبداللہ زاہد کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُس زمانے میں اُنھوں نے چند کتب بھی تصنیف کیں۔ پھر فارس سے اہواز کی طرف گئے وہاں سے ایک شخص کو بھیجا۔ جس نے مجھے اُن کے پاس پہنچا دیا۔ وہاں بھی لوگوں کے سامنے گفتگو کرتے اور مرجع الخلائق بن گئے۔ لوگوں کو اُن کے اسرار اور دلی کیفیات سے لگاؤ کی وجہ سے اُن کا نام حلّاج الاسرار پڑ گیا۔ پھر حلّاج کے لقب

Marfat.com

سے پکارے جانے لگے۔ پھر بصرہ گئے اور وہاں تھوڑی مدت تک قیام کیا۔ اور مجھے اپنے اصحاب کے پاس چھوڑ آئے۔ پھر دوبارہ مکّہ گئے۔ پیوند شدہ لباس اور کمر میں پٹی پہن لی۔ اِس سفر میں اُن کے ساتھ جمِ غفیر نکلا۔ اور ابو یعقوب نہر جوری نے عوام کی عقیدت کو دیکھ کر حسد کرنا شروع کر دیا اور اُن کے بارے میں نازیبا باتیں کیں۔ پھر بصرہ کی طرف لوٹے اور ایک ماہ تک قیام کیا۔ پھر اہواز آئے۔ میری والدہ اور اہواز کے اکابرین کی ایک جماعت کو بغداد لے آئے۔ بغداد میں ایک سال قیام کیا۔ اپنے ایک عقیدت مند سے کہا کہ میرے بیٹے احمد کا میری واپسی تک خیال رکھنا۔ میں چاہتا ہوں کہ اُن ممالک کی طرف جاؤں جہاں شرک پھیلا ہوا ہے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں۔ پھر میں نے سنا کہ اُنھوں نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر دوسری مرتبہ خراسان کی طرف گئے اور ماوراء النہر سے ہوتے ہوئے ترکستان اور ماچین گئے اور مخلوق کو اللہ کی طرف بلایا اور راہِ ہدایت کی طرف لانے کے لیے اُن کے لیے کتب تصنیف کیں جو مجھ تک نہیں پہنچیں۔ جب واپس لوٹے تو ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے مغیث، ماچین اور ترکستان سے مقیت اور خراسان سے ممیّز اور فارس سے ابو عبداللہ زاہد اور خوزستان سے شیخ حلاج الاسرار کے نام سے خطوط آتے تھے۔ بغداد میں لوگ مصطلم بصرہ میں محیّر کے نام سے پکارتے تھے۔ اِس سفر سے واپس آنے کے بعد اُن کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں پھیل گئیں۔ اُنھوں نے قیام کیا اور پھر تیسری بار حج کرنے کے لیے نکلے اور دو سال تک مکہ میں مجاور (بیت اللہ) رہے۔ پھر واپس لوٹے اور اُن کی پہلی حالت تبدیل

Marfat.com

ہو چکی تھی۔ مجھے سامان خانہ نے بغداد میں روک رکھا تھا اور ایک گھر تعمیر کیا۔ اور لوگوں کو ایسے اہم اور دقیق امور کی طرف دعوت دینا شروع کی جس کا میں کماحقہٗ احاطہ نہیں کرسکا۔ اُس وقت محمد بن داؤد اور علما کی ایک جماعت نے اُن کے خلاف خروج کیا۔ اُن کی ظاہری حالت کو برا جانا۔ نصر قشوری کی وجہ سے اُن میں اور علی بن عیسیٰ (وزیر) میں چل گئی۔ شبلی اور دیگر صوفیہ بھی (بظاہر) اُن کے خلاف ہوگئے۔ بعض اُنھیں جادوگر اور بعض مجنوں قرار دیتے تھے۔ لوگوں میں یہ اختلاف جاری تھا کہ بادشاہ نے اُنھیں گرفتار کر کے قید کردیا۔" ☆۱

حسین بن منصور کے بیٹے احمد کے اِس طویل بیان میں افواہی عناصر کا رنگ، گو ہلکا سہی، محسوس ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً حسین بن منصور کو اِس قدر قبولیت عامہ حاصل ہونا کہ اُس دور کے اکابر حسد میں مبتلا ہوجائیں، محض مبالغہ ہے نیز حسد کرنے کی تہمت اکابر صوفیہ کے پاکیزہ اخلاق پر بہتانِ عظیم ہے۔ کوئی معتدل ذہن کا صاحبِ علم جس نے ادب صوفیہ کا کماحقہٗ مطالعہ کیا ہے، یہ امر باور کرنے کو تیار نہ ہوگا کہ سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۷۳ یا ۲۸۳ھ) عمرو بن عثمان مکی (م ۲۹۶ھ) اور جنید بغدادی (م ۲۹۸ یا ۲۹۹ھ) حسد جیسی بری عادت میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ بہرحال خطیب بغدادی کی مذکورہ بالا عبارت میں زیرِ نظر پہلو کی تنقیح یہی ہے کہ اکابر کے حسد کا بیان ضعیف اور مشکوک ہے، اِس لیے قابلِ اعتنا نہیں ہے۔

مذکورہ مشکوک روایت سے قطع نظر اِس بیان سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ ولادت: حسین بن منصور علاقۂ بیضا (فارس) کے ایک گاؤں طور میں (۲۴۴ھ میں) پیدا ہوئے۔ اُن کی پرورش و پرداخت شہر تستر میں ہوئی۔

۲۔ بیعت: تستر میں اُنھوں نے سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت اختیار کی۔ دو

Marfat.com

سال تک سہل بن عبداللہ کے حلقۂ تلمذ میں رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ بصرہ چلے گئے اور عمرو بن عثمان مکّی سے بیعت کی۔ ڈیڑھ سال تک خدمتِ شیخ میں رہے۔ حسین بن منصور حضرت جنید بغدادی سے بھی منسلک ہونے کے خواہش مند تھے لیکن حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اُنھیں اپنی بیعت میں لینے سے انکار کردیا کیوں کہ طریق میں یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ایک شیخ کے موجود ہوتے ہوئے، اُس کی اجازت کے بغیر دوسرے شیخ سے بیعت کی جائے۔ بہرحال حسین بن منصور کی زندگی کے اِس پہلو سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ اُنھوں نے تصوف کو بطور ایک طریقِ زیست کے منتخب کرلیا تھا اور آخر تک اُسی سے وابستہ رہے۔

۳۔ نکاح: حسین بن منصور نے نوجوانی ہی میں ابو یعقوب الاقطع کی بیٹی امّ الحسین سے شادی کرلی اور اِس عقد کا دونوں ہی نے ساری زندگی پاس ولحاظ رکھا۔

۴۔ ادائے حج: حسین بن منصور نے پوری زندگی میں تین حج کیے۔ پہلے اور دوسرے حج میں وہ ایک ایک سال اور تیسرے حج میں دو سال مقیمِ مکّہ رہے۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے ہندوستان، ماوراء النہر، ترکستان اور ایرانی علاقوں کے بھی سفر کیے۔

خلافتِ عبّاسیہ کے سیاسی انتشار اور خلفشار کے زمانے میں جب علویوں، زنگیوں اور قرامطیوں کی بغاوتیں عروج پر تھیں، حسین بن منصور، وزیرانِ سلطنت علی بن عیسیٰ اور حامد بن عبّاس کے حکم سے پابندِ سلاسل کیے گئے جس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

حسین بن منصور کا ذکر متعدد ماخذوں میں دستیاب ہے۔ صوفیہ کی تصانیف اور تذکروں میں اُن کا ذکر کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح کتبِ تواریخ میں اُن کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مستشرقین کی چند تصانیف ہیں جو گزشتہ صدی میں (بیسویں صدی میں) حسین بن منصور پر تحقیق کے سلسلے میں شائع ہوئی ہیں۔ زیرِ نظر باب کی تالیف میں اِن سب سے استفادے کی کوشش کی گئی ہے۔

Marfat.com

صوفیہ کی تصانیف اور تذکرے

"کشف المحجوب" میں ابنِ منصور کا ذکر

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"استاد ابوالقاسم قشیری ☆۲ رضی اللہ عنہٗ گوید کہ اگر وی یکی بود از اربابِ معانی وحقیقت، بہ ہجرانِ خلق مہجور نشود واگر مہجورِ طریقت و مردودِ حق بود، مقبولِ خلق مقبول نگرود وبحکمِ تسلیم، وی را بدو باز گذاریم۔ و بدان قدر نشانی کہ باوی یافتیم از حق، وی را بزرگ داریم۔ اما ازیں جملہ مشائخ بجز اند کی منکر نیند مرکمال فضل و صفای حال و کثرتِ اجتہاد و ریاضت اورا۔ و اثبات ناکردن ذکرِ وی اندریں کتاب بی امانتی بودی کہ بعض از مردمانِ ظاہر اورا تکفیر کنندو بدو منکر باشند و احوال او را بعذر وحیلت وسحر منسوب کنند و پندارند کہ حسین بن منصور حسن منصور حلاّج است، آں ملحد بغدادی کہ استاد محمد بن ذکریا ☆۳ بودہ ست و رفیق ابوسعید قرمطی ☆۴ وایں حسین کہ مارا اندر امراو خلافست فارسی بودہ است کہ از بیضا و ردّ و ہجرِ او را نہ بمعنی طعن اندر دین و مذہب ست کہ اندر حالِ روزگارِ وی است کہ وی ابتدأ مرید سہل بن عبداللہ و بی دستوری از نزد وی برفت و بہ عمرو بن عثمان پیوست و از نزد وی بی دستوری نیز برفت و تعلق بہ جنید کرد رحمتہ اللہ علیہ وجنید رحمتہ اللہ علیہ وی را قبول نہ کرد بدیں سبب جملہ مہجور کردند او را۔ پس مہجور معاملت نہ مہجورِ اصل باشد۔" ☆۵

(استاد ابوالقاسم قشیری، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو، فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

اگر وہ (حسین بن منصور) اہل معانی و حقیقت میں سے تھے تو لوگوں کے ٹھکرانے سے ٹھکرائے ہوئے نہیں ہوسکتے اور اگر وہ طریقت کے ٹھکرائے ہوئے اور حق تعالیٰ کے رد کردہ تھے تو لوگوں میں مقبول ہونے کے باوجود مقبول قرار نہیں دیے جاسکتے۔ ہم اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑتے ہیں اور ہم جس قدر (عمدہ) علامت اُن میں پاتے ہیں اُنھیں بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ تمام مشائخ میں سے سوائے چند حضرات کے کوئی اُن کے کمالِ فضل، پاکیزگیِ حال اور مجاہدات و ریاضات کی کثرت کا منکر نہیں ہے، لہٰذا اِس کتاب میں ان کا ذکر نہ کرنا بے امانتی ہوتی (اور وہ بھی محض اِس بنا پر) کہ بعض اربابِ ظاہر اُن کی تکفیر کرتے اور اُن کا انکار کرتے ہیں اور بطورِ عذر اُن کے احوال کو حیلہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ حسین بن منصور، حسن منصور حلاج ہے۔ وہ ملحد اور بغداد کا رہنے والا تھا نیز محمد بن زکریا کا استاد اور ابوسعید قرمطی کا رفیق تھا، جب کہ یہ حسین جن کے بارے میں ہمیں اختلاف ہے، بیضا کے باشندے تھے۔ مشائخ کا اُنھیں رد کرنا اور ٹھکرانا ان کے دین و مذہب میں طعن کے باعث نہیں ہے بلکہ اُن کے احوالِ روزگار کے سبب سے ہے کہ وہ ابتدا میں سہل بن عبداللہ کے مرید تھے اور خلافِ دستور اُن کی صحبت سے کنارہ کش ہوگئے پھر خلافِ دستور عمرو بن عثمان سے پیوستہ ہوئے پھر اُن کی صحبت سے نکل کر جنید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوے جنھوں نے اُنھیں (اپنی بیعت میں لینا) قبول نہیں کیا۔ بس اسی باعث سب نے اُنھیں رد کیا حالاں کہ معاملات کا مہجور فی الحقیقت مہجور نہیں ہوتا)۔

علی ہجویریؒ کی تحقیق

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرّہٗ کا مذکورۂ بالا اقتباس قطعی طور پر تحقیقی نوعیت کا ہے۔ اِس اقتباس میں حسن منصور ملحد بغدادی کے حوالے سے تاریخ کی دو اہم شخصیتوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک محمد بن ذکریا رازی جو تاریخِ طب کی اہم شخصیت ہے اور دوسری اہم شخصیت ابو سعید جنابی قرمطی کی ہے جو معتضد باللہ (م ۲۸۹ھ) کے عہد حکومت میں قرمطی تحریک کا اہم ترین حامی اور رہنما تھا۔

اِس اعتبار سے ضروری ہے کہ محمد بن ذکریا رازی کا استادِ علم طب سے واقف ہو اور ابو سعید قرمطی کا رفیقِ کار خفیہ تحریکات کو موثر بنانے کی تکنیک سے آگاہ ہو۔ یہ دونوں خصوصیات اُس شخص میں تھیں جس کی نشان دہی حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''حسن منصور ملحد بغدادی'' کی حیثیت سے کی ہے۔ ذیل میں تاریخ طبری کے دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

> ''قال ابوبکر الصولی قد رأیت الحلاّج و جالستہ فرأیت جاھلا یتعاقل وغبیا یتبالغ و فاجرا یتزھد وکان ظاھرہ انہ ناسک صوفی فاذ اعلم ان اھل بلدۃ یرون الاعتزال صار معتزلیا او یرون الامامہ صار امامیا واراھم ان عندہ علم باماھم ورأی اھل السنۃ سنیا وکان خفیف الحرکۃ مفتا قد عالج الطب وجرب الکیمیا وکان مع جھلہ خبیثا وکان ینتقل فی البلدان۔'' ☆۶
>
> (ابوبکر صولی کہتا ہے کہ میں نے حلاّج کو دیکھا ہے، اُس کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔ میری رائے میں وہ جاہل تھا مگر عاقل بنتا تھا۔ گفتگو سے عاجز تھا مگر بہ تکلف فصیح بنتا تھا۔ فاسق تھا، زاہد بنتا تھا۔ ظاہر میں عابد صوفی تھا مگر جب کسی شہر کے آدمیوں کو اعتزال کی طرف مائل دیکھتا، معتزلی بن جاتا یا امامیہ کے مذہب پر پاتا تو

امامیہ بن جاتا اور اُن سے کہتا کہ مجھے تمھارے امام کی خبر ہے اور جس بستی کو اہلِ سنت کے طریقے پر دیکھتا وہاں سُنّی بن جاتا۔ اُس کی حرکتیں خفیف تھیں۔ فتنہ پرداز تھا۔ علم طب بھی کچھ جانتا اور کیمیا کا بھی تجربہ رکھتا تھا اور باوجود جہل کے خبیث تھا۔ شہر در شہر گھومتا تھا۔)

خط کشیدہ عبارت پر غور فرمائیں، ایک شخص ہے جس کا لقب حلاج تھا سرتاسر رذایل کا مجموعہ تھا لیکن اُس میں دو خوبیاں بھی تھیں۔ ایک یہ کہ قدرے علمِ طب سے واقف تھا اور دوسری خوبی یہ کہ علمِ کیمیا کا تجربہ رکھتا تھا۔ یہی شخص محمد بن ذکریا رازی کا علمِ طب و کیمیا میں استاد بن سکتا تھا اور یہ حسن منصور بغدادی تھا جس کی نشان دہی داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے کی ہے۔ حسین بن منصور بیضاوی تو مذکورہ دونوں علوم سے بیگانہ تھے۔ کسی قدیم ماخذ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حسین بن منصور بیضاوی طب اور کیمیا سے آگاہ اور محمد بن ذکریا طبیب کے استاد تھے۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کی صراحت سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ تاریخ نگاروں نے حسن منصور ملحد بغدادی کے حالاتِ زندگی کو حسین بن منصور بیضاوی سے خلط ملط کر دیا ہے۔ اِس صراحت کے بعد تاریخ طبری سے دوسرا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"قال ابوالقاسم بن زنجی فلکتبنافی حملها الی الحضرة اکثر من عشرین کتابا قلم یرد جواب اکثرها وقیل فیما اجیب عنه منها انهما یطالبان ومتے حصلا حملا ولم یحملا الی هذاه الغایة وکان فی الکتب لموجودة له عجائب من مکاتبات اصحابه النافدین الی النواحی۔

وتوصیته ایاهم بمایدعون الیه الناس وما یامرهم به من نقلهم من حال الی حال اخری ومرتبة الی مرتبة حتے یبلغوا الغایة القصوی وان یخاطبوا کل قوم علے حسب عقولهم فهامهم و علے قدر استجابتهم و انقیادهم و جوابا تهم لقوم کاتبوه بالفاظ مرموزة کا یعرفیها الامن کتبها

Marfat.com

الیہ ؤمن کتبت الیہ۔"☆۷

(ابوالقاسم بن زنجی کا بیان ہے کہ جو خطوط اصحابِ حلاج کے پاس سے ضبط کیے گئے تھے اُن میں حلاج کے آدمیوں کی طرف سے جو اطرافِ بلاد میں کام کرنے والے تھے، عجیب مکاتبات تھیں جن میں حلاج کی وصیت بھی تھی کہ لوگوں کو کس بات کی دعوت دی جائے اور کیا کیا احکام دیے جائیں اور یہ کہ لوگوں کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے کی طرف منتقل کیا جائے، حتّٰی کہ انتہائی درجے پر پہنچ جائیں نیز یہ کہ ہر جماعت سے اُن کی عقل و فہم کے موافق گفتگو اور ایسے انداز سے بات چیت کی جائے کہ وہ مان لیں اور اطاعت کرلیں۔ جو لوگ اُن سے خط و کتابت کرتے تھے اُن کو خاص رموز میں جواب دیا جاتا تھا جن کو بجز کاتب اور مکتوب الیہ کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔)

اِس اقتباس کے متعلقات کو اگر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کی تحقیق کی روشنی میں دیکھا جائے تو مسئلے کا ہر پہلو واضح اور بے غبار ہوجاتا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں خلافتِ بنو عبّاس میں مخالف طبقوں کی سرگرمیوں کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صدی خلفائے بنو عبّاس کے لیے سیلابِ بلا سے کم نہ تھی۔ جبریہ، قدریہ اور معتزلہ اسلامی فکر میں یونانی فلسفے کی تخم ریزی کر رہے تھے۔ علویوں نے تحریک رضا آلِ محمدؐ کی دعوت سے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں ہلچل پیدا کردی تھی۔ زنگیوں کے خروج نے دارالسلطنت بغداد کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔ حدودِ خلافت میں سربرآوردہ امیروں نے اپنی اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرلی تھیں۔ باطنی تحریکیں زیرِ زمین تخریب کاری میں سرگرم تھیں۔ نئے نئے باطل فرقے اور مدعیِ نبوت وجود میں آچکے تھے۔ قرامطہ نے عراق، فارس، شام اور حجازِ مقدس میں سکھ چین کی بستیوں کو اجاڑ دیا تھا۔ حجرِ اسود کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حرم شریف کے تقدّس کو پامال کیا۔ ابو سعید

Marfat.com

قرمطی کا رفیق بھی ایسا شخص ہونا چاہیے جسے اسلامی شعائر سے کوئی رغبت نہ ہو بلکہ اس کا نصب العین قرمطی تحریک کی کامیابی ہو۔

اِن خصوصیات کا اطلاق حسین بن منصور بیضاوی پر نہیں ہوتا۔ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے اُن کے پچاس رسالوں کا مطالعہ کیا ہے لیکن کسی ایسی تحریر کا ذکر نہیں کیا جو مرموز یا دین کے خلاف ہو۔ اِس کے برعکس حضرت قدس سرہ کی شہادت یہ ہے کہ حسین بن منصور بیضاوی ساری زندگی لباس صلاح میں رہے، وہ نماز کے پابند اور پیوستہ روزہ رکھنے والے بزرگ تھے۔ داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حسین بن منصور کی کسی ایسی تحریر کا بھی ذکر نہیں فرمایا جو قرامطہ کے اصولِ دعوت کے مطابق ہو، پھر وہ شخص کون ہوسکتا ہے جس کا ذکر طبری کے مذکورہ بالا اقتباس میں ہے۔ ظاہر ہے یہ وہی شخص ہے جو محمد بن زکریا رازی کا استاد اور ابوسعید قرمطی کا رفیق تھا یعنی حسن منصور ملحد بغدادی۔

حاصلِ تحقیق

ایسے انتشار اور خلفشار کے زمانے میں جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی، سنی سنائی باتوں کی پرواز بڑھ جاتی ہے۔ عام لوگوں کی نفسیاتی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خوف و دہشت کے عالم میں ہر افواہ سچ اور ہر بے بنیاد خبر مصدّق محسوس ہوتی ہے۔ ایسے زیر و زبر حالات میں اگر ابوسعید جنابی قرمطی کے رفیق ''حسن منصور ملحد بغدادی'' کو حسین بن منصور بن محمی بیضاوی گمان کرلیا جائے تو ناممکنات سے نہیں ہے۔ تعجب تو مورخین کی بے احتیاطی پر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ملحد بغدادی کے ''کارنامے'' تیغِ عشق کے کشتہ بیضاوی کے کھاتے میں ڈال دیے☆۸ اور اُنھیں گروہ صوفیہ سے نکال کر، غالی شیعہ، اسمٰعیلی داعی، قرمطی اور زندیق بنا دیا۔

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ نے چند دیگر کلمات بھی حسین بن منصور بیضاوی کی تحسین میں تحریر کیے جنھیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ا۔ میں اِس سے پیشتر ان کے کلام کی شرح میں ایک کتاب لکھ چکا

Marfat.com

ہوں۔ اِس کتاب میں دلائل و شواہد کے ساتھ کلام کی بلندی اور ان کی صحیح حالی کو ثابت کیا ہے۔☆۹

۲۔ حسین بن منصور حلاّج جب تک رہے، لباسِ صلاح میں رہے۔ وہ نماز کے پابند، ذکر و مناجات بسیار کرنے والے، پیوستہ روزے رکھنے والے، تحمید میں مہذب اور توحید میں لطیف نکات بیان کرنے والے تھے۔ اگر اُن کے افعال سحر ہوتے تو یہ سب کچھ اُن سے سرزد ہونا محال ہوتا۔ پس درست ہوا کہ صاحبِ کرامات تھے اور کرامات سوائے ولی کے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ بعض اہلِ اصول اُنھیں یوں رد کرتے اور اُن پر اعتراض لاتے ہیں کہ اُن کے کلمات سے امتزاج و اتحاد کے پہلو نکلتے ہیں لیکن یہ تشنیع اُن کی عبارت پر ہے نہ کہ معنی پر۔ کیوں کہ مغلوب سے امکانِ عبارت مشکل ہے۔ غلبۂ حال میں اُس سے صحیح عبارت کی ادائی نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عبارت مشکل ہو اور اُس کا مقصود سمجھ میں نہ آئے اور اِس سبب سے اُس کے منکر ہوجائیں۔ سو قصور اُن کے نہ سمجھ سکنے کا ہے نہ کہ اُس عبارت کا۔☆۱۰

۳۔ اور جو لوگ اُس جواں مرد سے سحر منسوب کرتے ہیں، وہ محال بات کرتے ہیں۔ اگرچہ سنّت و جماعت کے اصول میں بھی سحر حق ہے، جیسے کہ کرامت، مگر حالِ کمال میں سحر کا اظہار کفر ہے جب کہ کرامت حالِ کمال میں معرفت ہے۔ چنانچہ ایک خداوند جلّ جلالہ کا غضب ہے اور ایک اُس کا قرینۂ رضا۔ یہ سخن اثباتِ کرامات کے باب میں شرح کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اہلِ سنّت و جماعت کے اہلِ بصیرت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مسلمان ساحر یا ایک کافر مکرّم نہیں ہوسکتا اور اضداد مجتمع نہیں

Marfat.com

ہو سکتے۔☆۱۱

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے مذکورۂ بالا اوصاف کے ساتھ حسین بن منصور بیضاوی کے ہاں جو کمی ہے، اُس کی صراحت بھی کی ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک متوازن تذکرہ ہے جو حسین بن منصور بیضاوی سے متعلق پانچویں صدی ہجری میں منظرِ عام پر آیا۔ حضرت قدس سرہ کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:

۴۔ تو خیال رہے کہ ایسے لوگوں کا کلام اقتدا کے لائق نہیں ہوتا کہ وہ مغلوب ہوتے ہیں۔ وہ اپنے حال میں متمکن نہیں ہوتے۔ اقتدا صرف اُن کی کرنی چاہیے جو اپنے کلام میں متمکن ہوئے ہوں۔

وہ بحمداللہ مجھے دل سے عزیز ہیں۔ لیکن اُن کا طریق مستقیم نہ تھا اور اُن کا حال بھی مقرّر نہ تھا اور اُن کے احوال میں بسیار فتنہ ہے۔

اور میں نے اپنی ابتدائے نمود میں اُن سے براہین کے ضمن میں قوت حاصل کی ہے۔☆۱۲

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کے مذکورہ بالا ارشادات سے مستنبط ہوتا ہے کہ اگرچہ حسین بن منصور بیضاوی راہِ طریقت کے منتہی نہیں تھے لیکن اِس راہ میں جو باطنی انعامات اُنھیں ارزانی ہوئے، اُن کی بنا پر لائقِ احترام ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ مغلوب الحال سالک تھے، اِس لیے ان کی تقلید نہ کرنے ہی میں سالکِ راہ کی عافیت ہے۔ داتا صاحبؒ کے اِس فیصلے سے کوئی معقول شخص انکار نہیں کرسکتا، نزاع تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک صاحبِ ایمان کو زبردستی شعبدے باز زندیقوں کے حلقے میں دھکیل دیتے ہیں۔ اِن معروضات کے بعد ہم دوسرے ماخذوں کا ذکر کرتے ہیں۔

رسالہ قشیریہ۔ ابوالقاسم قشیریؒ

متعدد مشائخ نے "توحید" کی جو تعریف بیان کی ہے، امام قشیریؒ (م۴۶۵ھ) نے اُن اقوال کو "رسالہ قشیریہ" میں نقل کیا ہے۔ حسین بن منصور بیضاویؒ نے توحید کی یہ

Marfat.com

تعریف بیان کی ہے:

"شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے محمّد بن محمّد بن غالب کو کہتے سنا۔ فرماتے کہ میں نے ابونصر احمد بن سعیدالاسفنجانی کو کہتے سنا، فرماتے تھے کہ حسین بن منصور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیا کا حادث ہونا لازم قرار دیا ہے۔ کیوں کہ قدیم ہونے کی صفت تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ظہور بذریعہ جسم ہوتا ہے، اُس کے لیے عرض کا ہونا ضروری ہے جس کا اجتماع ساز و سامان کے ساتھ ہوگا، اس کے قویٰ اُسے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ جسے وقت نے جمع کیا ہے، اُسے وقت ہی جدا کرے گا۔ جس کے وجود کا قیام ہی کسی اور پر موقوف ہو اُسے ضرورت لاحق ہوگی (اور دوسرے کا محتاج رہے گا) جس پر وہم فتح پائے، اُس کی تصویر ممکن ہے۔ جو کسی محل میں پناہ گزین ہو وہ "این" کے ادراک میں ہے۔ جس چیز کی جنس ہوگی، اُس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نہ تو "فوق" کے زیرِ سایہ ہے اور نہ تحت کے ماتحت ہے، نہ کوئی حد اُس کی مقابل ہے، نہ کسی میں اُس کی مزاحمت کی طاقت، نہ آگے پیچھے کا اُس پر اطلاق ہوسکتا ہے، نہ اُس سے پہلے کوئی تھا جس نے اُسے ظاہر کیا ہو اور نہ ہی بعد میں پیدا ہونے والی اشیا اُس کی نفی کرسکتی ہیں۔ "کُل" کا لفظ اُس کو جمع نہیں بنا سکتا اور نہ "کان" کا لفظ اُس کو وجود میں لایا۔ اور نہ "لیس" کی مناسبت سے فقدان سے دوچار ہوا۔ اُس کے اوصاف کی کوئی صفت نہیں اور نہ اُس کے افعال کی کوئی علّت ہے۔ اُس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ مخلوق کے تمام احوال سے

منزّہ اور پاک ہے۔ نہ تو اُس کا مزاج مخلوق کا سا ہے اور نہ اُسے اپنے افعال میں تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہونے میں مخلوق سے اُسی طرح جدا ہے جس طرح مخلوق حادث ہونے میں اُس سے جدا ہے۔ اگر اُس کے متعلق ''متیٰ'' (کب) سے سوال کیا جائے (تو یہ سوال غلط ہوگا) اِس لیے کہ وجود باری تعالیٰ وقت کے وجود سے پہلے موجود ہے۔ اور اگر ''ہوٗ'' کا لفظ استعمال کریں (تو یہ بھی غلط ہوگا) کیوں کہ دونوں حرف ''ھا'' اور ''واؤ'' اُس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر ''این'' کہہ کر سوال کریں۔ (تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا، کیوں کہ) اللہ کا وجود خود اُس کا ثبوت ہے۔ اُس کی معرفت یہ ہے کہ اُس کو واحد جانیں۔ اور اُسے واحد جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اُسے اُس کی مخلوق سے ممتاز و الگ رکھیں جو تصور اوہام میں آئے اللہ تعالیٰ اُس سے مختلف ہے۔ جن اشیا کو اللہ نے شروع کیا وہ اللہ پر کیسے وارد ہوسکتی ہیں یا جن کو اللہ نے پیدا کیا وہ اللہ پر کیسے لوٹ کر آسکتی ہیں، نہ آنکھیں اُسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ ظن اُس کے بالمقابل ٹھہر سکتا ہے۔ اُس کے قریب ہونا باعث عزّت ہے اور اُس سے دوری ذلت۔ اُس کی بلندی اِس طرح نہیں کہ وہ اوپر کو چڑھا ہو اور نہ اُس کا آنا ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہونے کے ذریعے ہوتا ہے۔ وہی سب سے پہلے، وہی سب کے بعد، وہی ظاہر بھی ہے باطن بھی، قریب بھی ہے بعید بھی، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ سمیع و بصیر ہے۔'' ☆۱۳

حسین بن منصورؒ نے توحید کی جو تعریف بیان کی ہے، اُس میں اور توحید کی اُس تعریف میں، جو امام ابوبکر بن ابو اسحٰق کلاباذی (م: اواخر چہارم صدی ہجری) نے اپنی تصنیف ''التعرف لمذہب اھل التصوف'' میں کی ہے، سرِمو فرق نہیں ہے۔☆۱۴

Marfat.com

ابن منصورؒ کے اِس واضح عقیدۂ توحید کے بعد وہ تمام اتہامات از خود باطل ہوجاتے ہیں جو مورخین کی روایات میں اُن کی بے احتیاطی کے باعث ذکرِ حسین بن منصور میں در آئے ہیں۔

تذکرۃ الاولیا۔ عطارؒ

حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) نے ''تذکرۃ الاولیا'' میں حسین بن منصورؒ کا طویل ترجمہ تحریر کیا ہے لیکن خطیب بغدادی اور حضرت داتا گنج بخشؒ نے جو معلومات فراہم کی ہیں تذکرۃ الاولیا میں اُنھی معلومات کا اعادہ ہے۔ خواجہ عطارؒ نے داتا صاحبؒ کی اس تحقیق کو بھی نقل کیا ہے جو حسن منصور ملحد، محمد بن ذکریا رازی اور ابوسعید قرمطی سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ حسین بن منصور کی بعض کرامات بھی تحریر کی ہیں۔☆۱۵

نفحات الانس۔ جامیؒ

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ) نے نفحات میں حسین بن منصورؒ کے ذکر کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے، اُس سے بھی نئی معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ اِس کے علاوہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے انتہائی اختصار سے کام لیا ہے۔☆۱۶

سیر الاولیا۔ میر خورد کرمانیؒ

سیّد محمد بن مبارک المعروف بہ میر خورد کرمانی (م ۷۷۰ھ) نے سیر الاولیا باب ششم میں تحریر کیا ہے:

''نکتہ در بیان آں کہ بر مشائخ و پیرے بیعت کنند، بعدہٗ با مشائخ و پیرے دیگر بیعت کنند۔''

''از سلطان المشائخ سوال کردند، حکمِ شیخ حسین منصور حلاج چیست، فرمود کہ مردود است۔ او مرید خیر نساج بود۔ ترکِ او گرفت و برجنید

Marfat.com

رحمتہ اللہ علیہ آمد و درخواست بیعت کرد۔ جنید فرمود تو مرید خیر نساجی
ترا دست بیعت نہ دہم او را رد کرد۔" ☆۱۷
نکتہ اس بیان میں کہ لوگ مشائخ اور پیر سے بیعت کرتے ہیں، اس کے بعد دوسرے مشائخ اور پیر سے بیعت کرتے ہیں۔
[لوگوں نے حضرت سلطان المشائخ سے دریافت کیا کہ حسین بن منصور حلاج کے بارے آپ کا کیا حکم ہے، فرمایا وہ رد کردہ ہیں۔ پہلے وہ خیر نساج (م۳۲۰ھ) کے مرید تھے، پھر انھیں چھوڑ کر جنید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ جنیدؒ نے فرمایا کہ تم خیر نساج کے مرید ہو۔ میں تمھیں بیعت نہیں کرتا اور انھیں (حسین بن منصور کو) قبول نہیں کیا)]

نکتہ در بیانِ عشق

"در روح الارواح می نویسد، چوں منصور حلاج را بکشتند، شبلی گفت، من آں شب پیشِ حق تعالیٰ مناجات کردم تا سحرگاہ سر بہ سجدہ نہادم و گفتم خدایا! ایں بندۂ بود ازان تو، مومن و موحد و معتقد از اعداد اولیا، چہ بلا بود کہ باوے کردی۔ بخواب درشدم۔ ندائے حضرت عزت بسمع من رسید کہ ھذا عبد من عبادنا، اطلعناہ علیٰ سرّ من اسرار نا فافشاہ فانزلنا بہ ماتریٰ... فامّا دریں معنی کہ خواجہ منصور را پیش آمد بر زبانِ مبارک شیخ شیوخ العالم ایں رباعی بارہا گزشتہ، رباعی:

از نورِ جلال مردِ مطلق خیزد
وز شوقِ خدا نگر چہ رونق خیزد
ایں خاطرِ مرداں چہ عجائب بحریست
چوں موج زند ہمہ انا الحق خیزد☆۱۸

[روح الاوراح☆۱۹ میں (مصنف) تحریر کرتے ہیں کہ جب حلاج

Marfat.com

کو قتل کیا گیا تو شبلیؒ (م۳۳۴ھ) نے بیان کیا کہ میں نے اُس رات حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی اور صبح تک اپنا سر سجدے میں رکھا اور عرض کیا، الٰہی! وہ تیرے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ وہ مومن، موحد اور اولیاء اللہ کا معتقد تھا۔ اُسے تو نے کس بلا میں ڈال دیا۔ مجھے نیند آ گئی۔ میں نے غیب سے آواز سنی: ''وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ ہم نے اپنے اسرار میں سے اُسے ایک راز سے آگاہ کیا تھا لیکن اُس نے اُسے فاش کر دیا پس ہم نے اُس پر (وہ بلا) نازل کر دی جو تم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھی... بہرحال اِس حقیقت کے پیشِ نظر جس سے منصور دوچار ہوئے، شیخ الشیوخ العالمؒ اکثر یہ رباعی پڑھتے تھے: رباعی:

از نورِ جلال مردِ مطلق خیزد
وز شوقِ خدا نگرچہ رونق خیزد
ایں خاطرِ مرداں چہ عجائب بحریست
چوں موج زند ہمہ انا الحق خیزد

(نورِ جلال سے مرد آزاد نمودار ہوتا ہے۔ دیکھو شوقِ الٰہی سے کیسی رونق ظہور میں آتی ہے۔ اہل ہمت کا دل کیسا عجیب سمندر ہے کہ جب موجیں مارتا ہے تو انا الحق ہی نمایاں ہوتا ہے۔)]

زیرِ نظر عنوان کا معروضی تجزیہ یہ ہے کہ حسین بن منصور بیضاویؒ کے زمانے کے صوفیہ اُن کے بارے میں تین مختلف قسم کے رویّے رکھتے تھے۔ ایک وہ بزرگ جن کے نزدیک حسین بن منصورؒ پسندیدہ شخص تھے، دوسرے وہ بزرگ جو اُنھیں ناپسند کرتے تھے، تیسرے وہ حضرات جنھوں نے اُن کے معاملے میں توقف اور خاموشی اختیار کی۔

ا۔ ابو العبّاس بن عطا محمد بن خفیف (م ۳۹۱ھ) اور ابوالقاسم نصر آبادی (۳۷۲ھ) اُنھیں پسند کرتے تھے۔☆۲۰

Marfat.com

۲۔ عمرو بن عثمان مکی، ابو یعقوب نہرجوری (م ۳۳۰ھ) اور ابو یعقوب اقطع اُنھیں رد کرتے تھے۔☆۲۱

۳۔ حضرت جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، جریری اور حصری نے اُن کے باب میں توقف اختیار کیا۔☆۲۲

ابو العبّاس بن عطا نے وزیر حامد بن عبّاس کے روبرو حسین بن منصور کے عقیدۂ توحید کی توثیق کی اور کہا کہ یہ اعتقاد صحیح ہے، میں اُس کا معتقد ہوں اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو، وہ بے اعتقاد ہے۔ پھر وزیر سے کہا کہ تمھارا اِس معاملے سے کیا واسطہ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ وزیر کو غصہ آ گیا اور اُنھیں غلاموں سے اتنا پٹوایا کہ وہ جاں بحق ہو گئے۔☆۲۳ محمد بن خفیف کا قول ہے کہ حسین بن منصور عالمِ ربانی ہیں۔☆۲۴ ابو بکر شبلی نے فرمایا کہ میں اور حلاّج ایک ہیں۔ مجھے دیوانگی کے سبب چھوڑ دیا گیا اور حلاّج اپنی عقل کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔☆۲۵

یہاں حسین بن منصور کے ایک اور ہم عصر بزرگ ابوسعید احمد بن محمّد بصری اعرابی (م ۳۴۰ھ) کے حوالے سے حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی کا ایک ملفوظِ گرامی پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ متعلّقہ عصر میں ایسے حضرات بھی تھے جو حسین بن منصور سے عقیدت رکھتے تھے اور جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا رہا، اُن کی مقبولیت اور مرجعیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

> ''بندہ عرض داشت کرد کہ سیّدی احمد چگونہ کسی بود؟ فرمود بزرگ کسی بود، او از عرب بودہ است و رسمِ عرب آنست کہ چوں کسی را بہ بزرگی یاد کنند، سیّدی گویند۔ بعدازاں فرمود کہ او در عہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمتہ اللہ علیہ، در آنچہ منصور را بسوختند و خاکسترِ او را در آبِ دجلہ رواں کردند، سیّدی احمد قدری ازاں آب کہ درو خاکستر بود بہ تبرّک برداشت و بخورد۔ آں ہمہ برکت از انجا بود۔''☆۲۶

''بندے نے (جسن علاسجزی نے) عرض کی کہ سیّدی احمد کیسے شخص تھے؟ فرمایا، بزرگ شخص تھے۔ وہ عرب میں پیدا ہوئے تھے اور عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کا بزرگی کے ساتھ ذکر کرتے تو سیّدی کہتے ہیں۔ اِس کے بعد ارشاد ہوا کہ وہ شیخ حسین منصور حلاج کے زمانے میں تھے، دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ جس وقت حسین منصور (کی لاش) کو جلایا گیا اور اُس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہائی گئی تو سیّدی احمد نے تھوڑا سا پانی جس میں راکھ ملی ہوئی تھی، بطور تبرک لے کر پی لیا۔ اِس باعث انھیں جملہ برکتیں حاصل ہوئیں۔''

حضراتِ صوفیہ کی تصانیف اور تذکروں کے مطالعے کے بعد کتب تواریخ کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

کتبِ تواریخ میں حسین بن منصور کا ذکر

کتب تواریخ میں روایات کا معاملہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ ایک واقعے سے متعلق کئی روایتیں ملتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں۔ اِس پر مستزاد یہ کہ مؤرّخ نے اختلاف و تضاد کی تنقیح سے چشم پوشی اختیار کی ہے، حالاں کہ ایک مورخ کی حیثیت سے اُس کا فرض تھا کہ وہ متعلقہ روایت کی ژولیدگی دور کرے۔ ذیل میں حسین بن منصور کی جادو سے متعلق تعلیم و تعلم کی دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ پہلی روایت خطیب بغدادی نے ''تاریخِ بغداد'' میں اور دوسری عریب بن سعد قرطبی نے ''صلۃ الطبری'' میں نقل کی ہے۔

''حدثنی ابوسعید السنجری انبانا محمّد بن عبداللہ بن عبیداللہ الصوفی الشیرازی قال سمعت ابا الحسن بن ابی توبۃ یقول سمعت علی بن احمد الحاسب قال سمعت والدی یقول وجھنی المعتھد الی الھند

لامور التعرفها لیقف علیها و کان معی فی السفینة رجل یعرف بالحسین بن منصور و کان حسن العشرة طیب الصحبة فلما خرجنا من المرکب و نحن علی الساحل و الحمالون ینقلون الثیاب من المرکب الی الشط فقلت له لایش جئت الی ههنا قال جئت لأ تعلم السحر و ادعوا الخلق الے اللہ تعالیٰ قال و کان علے الشط کوخ و فیه شیخ کبیر فساله الحسین ابن منصور هل عندکم من یعرف شیئا من السحر قال فاخرج الشیخ کبة غزل و ناول طرفه الحسین بن منصور ثم رمی الکبة فی الهواء فصارت طاقة واحدة ثم صعد علیها و نزل و قال للحسین بن منصور مثل هذا ترید ثم فارقنی ولم اراه بعد ذلک الا ببغداد۔''☆۲۷

میں نے ابوسعید سنجری سے سنا، ہمیں محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ صوفی شیرازی نے خبر دی، اُنھوں نے کہا میں نے ابوالحسن بن ابو توبہ سے سنا، اُس نے کہا میں نے علی بن احمد حاسب سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے والد سے سنا، اُنھوں نے کہا کہ مجھے معتضد نے ہندوستان کچھ باتیں معلوم کرنے کے لیے بھیجا جن پر وہ مطلع ہونا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ کشتی میں ایک شخص تھا، جس کا نام حسین بن منصور تھا۔ اُس کی معاشرت بہت اچھی اور صحبت بہت پاکیزہ تھی۔ جب ہم کشتی سے کنارے پر اترے اور مزدوروں نے سامان اتارنا شروع کیا تو مین نے اُس (حسین بن منصور) سے پوچھا تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ ☆۲۸ کہا جادو سیکھنے آیا ہوں تاکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دوں۔ اِس کنارے پر ایک جھونپڑی تھی جس مین ایک بہت بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ حسین بن منصور نے اُس سے کہا، تمھارے یہاں کوئی شخص جادو کا جاننے والا ہے؟ (اُس کے جواب میں) بوڑھے نے سوت کی انٹی نکالی اور

Marfat.com

اُس کا ایک کنارہ حسینِ بن منصور کے ہاتھ میں دے کر انٹی کو ہوا میں پھینک دیا تو اس کا ایک لمبا تار بن گیا۔ اُس کے بعد بوڑھا اُس تار پر چڑھ گیا، پھر اتر آیا اور ابن منصور سے کہا، تم اِسی کو چاہتے ہو؟ پھر مجھ میں اور اُن میں جدائی ہوگئی۔ اِس کے بعد میں نے بغداد ہی میں ان کو دیکھا۔"

عریب بن سعد قرطبی کی روایت یہ ہے۔

"وقال بعض اصحابہ صحبتہ سنتۃ الی مکۃ قال و اقام بمکۃ بعد رجوع الحلاج الی العراق و قال ان شئت ان تعود فعد فانی قد عدلت ان امضیٰ من ھُھنا الی بلاد الھند۔

قال و کان الحلاج کثیر السیاحۃ کثیر الاسفار قال ثم انہ نزل فی البحر یرید الھند قال فصحبتہ الی بلاد الھند فلما وصلنا الیھا استدل علے امرأۃ و مضٰی الیھا وتحدث معھا و وعدتہ الی غد ذلک الیوم ثم خرجت معہ الی جانب البحر و معھا غزل ملفوف وفیہ عقد شبہ السلم قال فقالت المرأۃ کلمات و صعدت فی ذلک الخیط و کانت تضع رجلھا فی الخیط وتصعد حتے غابت عن اعیننا ورجع الحلاج و قال لی لاجل ھذہ المرأۃ کان قصدی الی الھند۔" ☆۲۹

"اس کے (حسین بن منصور کے) بعض اصحاب نے کہا، میں اُس کے ساتھ ایک سال تک مکّے میں رہا کیوں کہ وہ حجاجِ عراق کی واپسی پر مکے ہی میں مقیم ہوگئے تھے تو مجھ سے فرمایا اگر تم اپنے وطن واپس جانا چاہو تو لوٹ جاؤ کیوں کہ میں تو یہاں سے ہندوستان کا قصد کر رہا ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ حلاج کو سیاحت اور سفر کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ ہندوستان کے ارادے سے سمندر میں سفر کرنے

Marfat.com

لگے۔ میں بھی ہندوستان تک اُن کے ساتھ رہا۔ جب وہ ہندوستان پہنچے تو اُن کو ایک عورت کا پتا دیا گیا، وہ اُس کے پاس گئے، اُس سے باتیں کیں۔ اُس نے دوسرے دن آنے کو کہا۔ چنانچہ اگلے دن میں اور ابنِ منصور دونوں ساحل سمندر پر پہنچے (وہ عورت بھی آئی) اور اُس عورت کے ہاتھ میں لپٹا ہوا سوت تھا، جس میں کمند کی طرح گرہیں لگی ہوئی تھیں تو اُس نے کچھ پڑھ کر دم کیا اور تاگے کے اوپر چڑھنے لگی۔ وہ تاگے پر پاؤں رکھ کر چڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ یہ دیکھ کر حلاج واپس ہوئے اور کہا میں اِسی عورت کی وجہ سے ہندوستان آیا تھا۔"

دونوں روایتوں میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ پہلی روایت پانچ راویوں سے نقل ہو کر خطیب بغدادی تک پہنچی اور دوسری روایت میں کسی راوی کا نام نہیں ہے۔ پہلی روایت میں ہندوستانی ساحر ایک بوڑھا مرد ہے اور دوسری روایت میں جادو جاننے والی عورت ہے۔ یہ اختلافِ روایت واقعے کے مشکوک اور مشتبہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ اصل حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ معتضد کے دورِ خلافت (۲۷۹ تا ۲۸۹ھ) میں سندھ میں قرامطیوں کی تحریک نے نشوونما پانا شروع کر دیا تھا اور ۳۴۰ھ میں یہاں قرمطی یا اسمٰعیلی حکومت قائم ہو چکی تھی۔☆۳۰ یہ حسن منصور ملحد بغدادی ہی ہو سکتا ہے جو تحریک کے سلسلے میں ہندوستان آیا لیکن روایتوں میں خلط ہونے کے باعث حسین بن منصور بیضاوی گمان کر لیا گیا حالاں کہ وہ اِس شعبے کے فرد ہی نہیں تھے۔"☆۳۱

آخر میں تاریخ طبری جلد دہم سے ایک روایت پیش کی جاتی ہے جو ۳۰۱ھ کے واقعات سے متعلق ہے۔

"اِسی سال علی بن عیسیٰ کے مکان پر ایک شخص کو حاضر کیا گیا، جس کے متعلق بیان کیا گیا کہ اُس کا عرف "الحلاج" اور کنیت

ابو محمد مشعوذ (شعبدے باز) ہے۔ اُس کے ہمراہ اُس کا ایک ساتھی بھی تھا۔

میں نے لوگوں کی ایک جماعت سے سنا جن کا یہ گمان تھا وہ رب (پروردگار) ہونے کا مدعی ہے۔

اُسے اور اُس کے ساتھی کو تین دن تک ہر روز شروع سے نصف النہار تک لٹکایا گیا۔ اُن دونوں کو اتارا جاتا تھا اور اُن کے قید کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ وہ طویل مدت تک قید رکھا گیا۔ ایک جماعت اِس فتنے میں مبتلا ہوگئی جن میں نصر القشوری (حاجب) وغیرہ بھی تھے، یہاں تک کہ جو اُس کی برائی کرتا تھا لوگ اُسے بددعا دیتے تھے اور اُس پر غل مچاتے تھے۔ اُس کا معاملہ پھیل گیا اور وہ قید سے نکالا گیا۔

اُس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے گئے پھر اُس کی گردن مار دی گئی پھر اُسے آگ میں جلا دیا گیا۔'' ☆۳۲

سیّد علی ہجویریؒ، مولانا جامیؒ اور دیگر حضرات نے حسین بن منصور بیضاوی کی کنیت ''ابو المغیث'' بیان کی ہے۔ اِس روایت میں وزیر علی بن عیسیٰ کے مکان پر جو شخص ۳۰۱ھ میں پیش کیا گیا، اُس کی عرفیت ''الحلاج'' اور کنیت ''ابو محمد'' ہے۔ از روئے تحقیق، جہاں تک ''ابو المغیث حسین بن منصور بیضاوی، کا تعلق ہے، طبری کی یہ روایت صحیح نہیں ہے اور مسترد کیے جانے کے قابل ہے۔

اِس کے علاوہ ''وہ طویل مدت تک قید رکھا گیا'' کا جملہ بھی قابل غور ہے۔ حسین بن منصور بیضاوی کی سزائے قتل کا واقعہ ۳۰۹ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ مورخ طبری کو جو خود ۳۱۰ھ تک حیات رہے، صراحت کرنی چاہیے تھی کہ گرفتار ۳۰۱ھ میں کیا گیا اور قتل ۳۰۹ھ میں کیا گیا لیکن مذکورہ روایت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص ''ابو محمد مشعوذ الحلاج'' کو ۳۰۱ھ میں گرفتار کر کے وزیر کے سامنے پیش کیا گیا وہ دو چار

ماہ قید میں رہا پھر قتل کر دیا گیا۔ مقصود گزارش یہ ہے کہ کتب تواریخ میں حسین بن منصور بیضاوی کا ذکر نہایت ژولیدہ اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہر طرح کی رطب ویابس روایات بغیر تنقیح کے تحریر کر دی گئیں اور ابن منصور کی زندگی اور ذات کو معمّا بنا دیا گیا۔

مستشرقین کی تحقیقات

راقم السطور معذرت خواہ ہے کہ باوجود انتہائی تلاش و جستجو کے اُسے فرانسیسی مستشرق لوئی ماسی نون کی کسی تصنیف کا انگریزی ترجمہ دستیاب نہ ہوسکا تاہم ڈاکٹر سیّد منیر واسطی صدر شعبۂ انگریزی جامعہ کراچی کی عنایت نے اِس نارسائی کی تلافی کر دی۔ ڈاکٹر صاحب نے ازراہِ کرم رینالڈ اے نکلسن کی تصنیف The Idea of Personality in Sufism (تصوف میں شخصیت کا تصور) کی فوٹو کاپی اِس عاجز کو عطا فرمائی جس میں ماسی نون اور الفریڈ فان کریمر کے خیالات اور اُن کی تصانیف کے اقتباسات شامل ہیں۔ یہ کتاب نکلسن کے تین خطبات پر مشتمل ہے جو موصوف نے ۱۹۲۲ء میں اسکول آف اورینٹل اسٹیڈیز لندن میں دیے تھے۔ ذیل میں نکلسن کے پہلے خطبے کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

> You will remember that we agreed to make the personality of God depend on the existence of personal relations between Him and His worshippers, and also to treat such perosnal relations as incompatible either with a doctrine of extreme immanence or with a doctrine of extreme transcendence. Now in the early Sufism of which I have been speaking we often find both these extremes in combination. Even Hallaj, who said Ana 'l-Haqq, "I am God," asserts in the strongest terms that God is transcendent and that the Creator must always remain other than the creature. There can be no doubt that the experience of fana, the

Marfat.com

passing-away of consciousness in mystical union, is consistent with belief in a personal God, though the same experience may equally well serve as a basis for pantheism when it is conceived as an end in itself, a Nirvana in which the illusion of personality is extinguished for ever that some Sufis have so conceived it I am ready to admit. In the third century A.H the negative doctrine of fana was taught by the famous Persian Sufi Bayazid of Bistam while the positive view, that the ultimate goal is not death to self (fana) but life in God (baqa) was maintained by Abu Said al-Kharraz and since his time is often adopted by sufis who as knowledge the obligation of the Mohammadan religious law.

''آپ کو یاد ہوگا کہ ہم اِس امر میں متفق ہوگئے تھے کہ خدا کی شخصیت سمجھنے کا انحصار خدا اور اُس کی پرستش کرنے والے کے درمیان ذاتی تعلق پر موقوف ہے۔ نیز اِس امر پر بھی کہ یہ ذاتی تعلق کسی انتہائی تشبیہی عقیدے یا انتہائی تنزیہی عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتا۔

میں اِس وقت جس ابتدائی تصوف کے بارے میں گفتگو کررہا ہوں، اِس میں ہمیں اکثر دونوں انتہائیں یک جا نظر آتی ہیں، حتّٰی کہ حلاج جس نے ''اناالحق'' (میں خدا ہوں) کہا تھا، پوری شدت سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ وراء الوریٰ ہے۔ اُسے ہمیشہ مخلوق کا غیر ہونا چاہیے۔ اِس میں قطعی کوئی شبہہ نہیں کہ مشاہدۂ فنا، یعنی باطنی اتحاد کی کیفیت میں ہوش و حواس سے گزر جانا، شخصی خدا کے عقیدے سے ہم آہنگ ہے۔ اگرچہ (دوسری جانب) یہی مشاہدہ مساوی طور پر وحدت الوجود کی بنیاد فراہم کرتا

Marfat.com

ہے بشرطے کہ باطنی اتحاد کے تجربے کو فی نفسہہ معدوم تصور کیا جائے۔ یہ گویا ایک طرح کا نروان (ہستی سے رہائی) ہے جس میں ذات کا وہم ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا ہے۔

بعض صوفیہ نے ''فنا'' کے تصور کو قبول کیا تھا، میں اِسے تسلیم کرتا ہوں۔ تیسری صدی ہجری میں اِس سلبی عقیدے کی تعلیم مشہور ایرانی صوفی بایزید بسطامیؒ نے دی تھی جب کہ بقا باللہ کا ایجابی نقطۂ نظر یعنی مقصد غائی فنافی اللہ نہیں ہے بلکہ بقاباللہ ہے۔ اِس کی تائید ابوسعید الخرّازؒ نے کی تھی۔ اُن کے عہد سے اکثر صوفیہ نے جو دینِ محمدی کے احکام کی پابجائی کرتے تھے (اِس نقطۂ نظر کو) قبول کرلیا تھا۔'' ☆۳۳

اِس اقتباس میں تشبیہی اور تنزیہی عقیدے کی تقسیم اور اُس کی تعبیر و تشریح نکلسن کے ذاتی خیالات ہیں۔ اسلام میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ پاک کی تجسیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد، یکتا، یگانہ اور بے مثل ہے۔ اُس کی صفات اُس کی ذات سے علاحدہ نہیں ہیں، اِس اعتبار سے اُس کی تمام صفات بھی تنزیہی ہیں۔

''آپ کا رب بڑی عظمت والا ہے۔ اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں''۔

(الصّٰفّٰت، آیت۔۱۸۰)

''کوئی شے اُس کی مثل نہیں''۔ (سورۂ شوریٰ، آیت۔۱۱)

اِس ذیلی عنوان سے قبل رسالۂ قشیریہ کے حوالے سے توحید کی تعریف میں حسین بن منصور بیضاوی کا طویل قول نقل کیا جا چکا ہے۔ اُس میں شخصی خدا کے عقیدے سے ہم آہنگ ہونے کا شائبہ تک نہیں، معلوم نہیں نکلسن نے اِس غیر متعلق نکتے پر گفتگو کرنا کس سبب سے مناسب خیال کیا جو اکابر صوفیہ میں سے کسی کا عقیدہ نہیں تھا۔

Marfat.com

اپنی اِس تصنیف میں نکلسن نے فان کریمر کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

''پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ الفریڈ فان کریمر (Alfred Von Kremer) نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیسری صدی کے آخری دور کی خصوصیات بیان کی تھیں۔

اُس کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ''اسلامی زہد توحیدِ وجودی کے گہرے دلچسپ مذہبی دائرے میں داخل ہو چکا تھا جو بعد کے زمانے میں تصوّف کی حقیقی روح قرار دی گئی۔''

فان کریمر مزید کہتا ہے کہ:

''اُس زمانے سے 'تصوّرِ الٰہ' صوفیہ کی تحقیق اور جستجو کا محور بن چکا تھا کہ محدود انسان اور لامحدود الوہیت میں باہمی رشتے کی نوعیت کیا ہے؟

وہ پہلا شخص جس نے اُن خیالات کی جن سے عربی تصوّف بیگانہ تھا اور جو (عربی تمدن سے) جداگانہ ثقافت کے حامل تھے، ٹھیک ٹھیک تشریح کی، ایک غریب دست کار تھا، جس کا پیشہ اون دھنا تھا اور جس کی خاندانی عرفیت 'حلّاج' تھی۔''☆۳۴

میں فان کریمر کے نقطۂ نظر پر بحث کو ختم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ فی الحقیقت اُس نے جن خیالات کو اسلام میں باہر سے آئے ہوئے بیان کیے ہیں، وہ اسلام میں زہد و تصوّف کی تحریک کے پیداوار تھے اور اپنی اصل میں اسلامی تھے، البتہ چند نکات کی حد تک اِن خیالات نے یونانی فلسفے کے ایک (Hellenistic) کے اثرات کو قبول کیا تھا۔☆۳۵ جہاں تک فان کریمر کی بیان کردہ اِس خصوصیت کا تعلق ہے جو اُس نے تصوّف کے وحدت الوجود سے منسوب کی ہے اور جس کا پہلا نمونہ حلاج کو

Marfat.com

قرار دیا ہے، مجھے امید ہے کہ ایسے بیان سے آپ کا تصور نہ حلاّج پر منطبق ہوگا نہ عمومی طور پر تصوف پر کیوں کہ صوفی وحدت الوجودی عقیدے کا نشوونما حلاّج کے بہت بعد ظہور میں آیا ہے اور یہ بالخصوص ابن عربی (۱۱۶۵ء تا ۱۲۴۰ء) سے منسوب ہے۔☆۳۶

یہ فرض کرنا کہ بایزید کا ادا کردہ کلمہ 'سبحانی' حلاّج کا 'انا الحق' یا ابن الفرید کا 'انا ہیا' فی نفسہٖ وحدت الوجود کی ثبوتی شہادتیں ہیں، یقیناً غلط ہوگا۔ جس حد تک خدا کی ماورائیت تسلیم کی جاتی ہے، تشبیہ کا سب سے پر زور دعویٰ بھی وحدت الوجودی نہیں ہے بلکہ شہودی ہے یعنی یہ ہمہ اوست (سب خدا ہے) کا عقیدہ نہیں بلکہ ہمہ درو ست (سب خدا میں ہے) کا عقیدہ ہے جو سب سے ماورئ ہے۔ علاوہ ازیں انتہائی سرّی احساس کا تعیّن مذہبی عقائد سے نہیں کرنا چاہیے۔"☆۳۷

یہاں ہمیں صرف اِس قدر عرض کرنا ہے کہ نکلسن نے دو اہم نکتوں کا مطالعہ اُن کے صحیح سیاق و سباق میں نہیں کیا۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں، غیر مسلم اقوام سے میل جول اور فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے تراجم کے باعث بعض اعتقادی مسائل پیدا ہوگئے تھے۔ متکلمین نے اُن اعتراضات کا رد کیا تو انھیں مجبوراً فلسفے کی اصطلاحات مثلاً ذات، وجود، اعیان، سریان، تشبیہ، مظہر وغیرہ اختیار کرنی پڑیں۔ متکلمین ہوں یا صوفیہ دونوں نے حق تعالیٰ کے تشبیہی عقیدے کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اِسی طرح چند صدیوں بعد وحدت الوجود کے حامیوں اور مخالفوں نے اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے قبل کی اصطلاحوں کو استعمال کیا یا نئی اصطلاحات وضع کیں، ایسا کرنا یا ہونا علمی مباحث کی ضروریات کے باعث تھا ویسے دونوں فریق حق تعالیٰ اور اُس کی صفات کو منزّہ اور مقدس مانتے ہیں۔

دوسرا نکتہ جس پر نکلسن کو اصرار ہے یہ ہے کہ "سرّی احساس" کا تعین مذہبی

Marfat.com

عقائد سے نہیں کرنا چاہیے۔ صوفیہ کے ہاں یہ امر مسلّمات میں سے ہے کہ اگر کوئی کشف یا باطنی مشاہدہ قرآن وسنت کی واضح تعلیم کے خلاف ہو تو وہ شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ فیصلہ صوفیہ کے عقیدے کی بنیاد پر ہی مبنی ہے۔

بہرحال نکلسن نے یہ باتیں ایک علمی موضوع پر علمی انداز میں کہی ہیں، ہم نے بھی اپنے علم کے مطابق عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ اُن سے اختلاف کیا ہے۔ اب آخر میں اُن کا ایک طویل اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو قارئین کے لیے واقعی باعث حیرت ہوگا۔

> ''میں آپ سے 'طواسین' میں تحریر کردہ دینی تعلیمات بیان نہیں کرسکتا اور نہ مائی سی نون نے جو اقتباسات جمع کیے ہیں، اُن کو ضمناً بیان کروں گا۔ ہم گفتگو اِس سوال سے شروع کرتے ہیں: جب حلاج نے انا الحق کہا تو اس قول سے اُس کا مفہوم کیا تھا؟ صوفیہ عام طور سے لفظ 'الحق' سے خالق مراد لیتے ہیں جو 'الخلق' کی ضد ہے اور اِس میں شبہہ نہیں کہ یہاں اِس کا ٹھیک مفہوم یہی ہے۔ انا الحق یعنی میں تخلیقی حقیقت ہوں۔ مائی سی نون نے یہی معنی مراد لیے ہیں۔ وہ کہتا ہے:
>
> 'حلاج جب خدا کے تصور کے ماورائی ہونے کا اقرار کرتا ہے تو قطعی طور پر یہ تصور نہیں کرتا کہ خدا ایسی ہستی ہے جس تک انسان کی رسائی ناممکن ہے۔ قدیم یہودی اور عیسوی روایات کے مطابق خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ حلاج نے اِس روایت سے تخلیق کے ایک عقیدے کا استنباط کیا جو شانِ ایزدی کے عقیدے سے متعلق تکمیلی پہلو رکھتا تھا۔ شانِ ایزدی رکھنے والا شخص، اپنی ذات میں صوفیانہ زہد کے واسطے سے اِس تصورِ الٰہ کو محسوس کرتا ہے جس کا نقش خدا نے اُس کے باطن میں جما دیا ہے۔' ہم نے

Marfat.com

حلاّجیوں کی بعض تحریریں حاصل کی ہیں جو اِس بارے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رکھتیں۔ بہرنوع حلاّج اِس مسئلے کی تشریح اِس طرح کرتا ہے:

تمام اشیا اور جملہ مخلوق سے قبل نیز اپنے علمِ تخلیق سے قبل، خدا اپنے آپ سے ماورائے الفاظ کلام کرتا تھا اور اپنی ذات کی شان کا مشاہدہ کرتا تھا۔ یہ خدا کی خودستائی کی سادگی یعنی محبّت ہے جو اس کی ذات میں صفات کی محدودیت سے ماوریٰ ذات کی ذات ہے۔ اپنی کامل خلوت میں خدا اپنے آپ سے محبّت کرتا ہے، اپنی ثنا خود کرتا ہے اور محبّت کے ذریعے اپنی تجلّی آشکار کرتا ہے۔ یہ اُس کی وحدتِ مطلقہ میں محبّت کی اوّلین تجلّی تھی کہ خدا نے اپنی صفات و اسما کی کثرت کو (متجلّی کرنے کا) ارادہ کیا، تب خدا نے اپنی خلوت میں، اپنی ذات کے ذریعے، اپنی ذات کے باطن میں، خود کو یعنی اپنی برتر خوشی محبّت کو جاری و ساری کرنے کی خواہش کی تاکہ اُس کا مشاہدہ کر سکے اور اُس سے ہم کلام ہو سکے۔ اُس نے اپنی ابدیت میں جھانکا اور عدم سے ایک خیالی تصویر نکالی جو اُس کا عکس تھی۔ اُس نے اِس تصویر یعنی آدم کو اپنے اسما و صفات مرحمت فرمائے۔ الوہی نگاہ نے دائمی طور پر اُس ہیولے کو اپنی صورت پر بنایا۔ خدا نے اُس کی تکریم کی، اُس کی ثنا کی، اُسے برگزیدہ کیا اور زیادہ سے زیادہ خود کو اُس صورت کے ذریعے اُسی صورت میں آشکار کیا۔ وہ تخلیق شدہ صورت ہو بہو (وہ، وہ) ہوگئی۔"

حلاّج کے مندرجۂ ذیل شعروں میں پہلا شعر آدم کے حوالے سے اور دوسرا شعر حضرت عیسیٰ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

خدا کی ثنا ہے جس نے اپنی منوّر الوہیت کے راز کو اپنی انسانی

فطرت میں ظاہر کیا اور پھر اپنی مخلوق میں مرئی طور پر اُس کی شکل میں ظاہر ہوا جو کھاتا پیتا ہے۔

آپ یہاں ملاحظہ کریں گے کہ ہم خدا کے بارے میں دو نوعیت کے عقیدے رکھتے ہیں، ایک کی نوعیت لاہوتی ہے اور دوسری کی نوعیت ناسوتی ہے۔ یہ اصطلاحیں شامی میسیحت سے مستعار لی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی دو فطری نوعیّتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں حلاج لاہوت اور ناسوت کے اتحاد کو بیان کرتے ہوئے یا جیسے کہ وہ عام طور پر الوہی اور انسانی روح کے متحد ہونے سے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے تو ''حلول'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور ''حلول'' ایسا لفظ ہے جو مسلمانوں کی تفہیم میں مسیحی عقیدۂ تجسیم کو مستلزم ہے۔ اُس کی نظموں میں اُس کی اپنی روح اور الوہی روح محبّت کرنے والوں کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے انتہائی گہری دوستی سے متحد ہو کر ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتی ہیں۔

''تیری روح میری روح میں ضم ہوگئی ہے جیسے شراب صاف پانی میں گھل جاتی ہے۔ جب کوئی شے تجھے چھوتی ہے وہ مجھے چھوتی ہے لو دیکھو! ہر معاملے میں، 'تو' 'میں' ہوں''۔

دوسرے مقام پر کہتا ہے:

'میں' 'وہ' ہوں جس سے 'میں' محبت کرتا ہوں اور 'وہ' جس سے 'میں' محبت کرتا ہوں 'میں' ہے

ہم دو روحیں ہیں جو ایک قالب میں جاگزیں ہیں
اگر تم مجھے دیکھتے ہو تو اُسے دیکھتے ہو
اور اگر تم اُسے دیکھتے ہو تو ہم دونوں کو دیکھتے ہو

Marfat.com

اگرچہ حلاج، محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اوّلین کو ایسا نور کہنے پر اصرار کرتا ہے جس سے تمام انوارِ نبوت جاری ہوئے ہیں، اُس کے نزدیک شانِ ایزدی رکھنے والے شخص کا کامل نمونہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بلکہ عیسیٰؑ ہیں، جن کی شخصیت تباہ نہیں ہوئی ہے بلکہ معجزے کے ذریعے ماہیتی طور پر تبدیل ہوگئی ہے تاکہ وہ اپنے باطن سے 'الحق' کو جس نے اُنھیں ہست کیا ہے، اُس تخلیقی حقیقت کو جس میں اُس نے تمام موجودات کو رکھا ہے، آشکار کرتے ہوئے اپنی ذاتی شہادت دیں اور خدا کا نمائندہ قرار پائیں۔

آپ اِس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ ایک منفرد عقیدہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک امّتی کی زبان سے نکلا ہے"۔☆۳۸

ایک ایک کر کے سب نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ حسین بن منصور بیضاوی ساحر تھے، شعبدہ باز تھے، جاہل تھے، عالم بنتے تھے، قدرتِ کلام نہ تھی لیکن فصیح ہونا ظاہر کرتے، قرامطی ایجنٹ تھے وغیرہ وغیرہ۔ آخری پیوند کاری نکلسن صاحب نے کی کہ حسین بن منصور، محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں تھے لیکن مسیحی صوفی تھے۔ اُنھوں نے بظاہر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کی لیکن بباطن اِس مدح کا مقصود عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو شانِ ایزدی رکھنے والے شخص کا کامل نمونہ ہیں۔ یہ مستشرقین کی تحقیقاتِ علمی کا ایک نمونہ ہے جو مندرجۂ بالا صفحات میں پیش کیا گیا۔ یہ حضرات اِن حقائق کو پیشِ نظر ہی نہیں رکھتے کہ اسلام کا ظہور انسانی تاریخ کے کس دور میں ہوا؟ دینِ اسلام کے بنیادی اصول اور ارکان کیا ہیں؟ ایک مسلمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدّسہ کا کتنا گہرا اثر ہے؟ صوفیہ کا طرزِ زیست کیا ہے؟ اُنھوں نے بنی نوعِ انسان کو امن ومحبت کا پیغام کس طور سے پہنچایا؟ اِن حضرات کی تحقیق کا تمام تر محور اِس نقطے پر

Marfat.com

ہوتا ہے کہ اسلام کی حیاتِ روحیہ پر عیسائیت اور یہودیت کا کتنا اثر ہے تاکہ جدید تعلیم یافتہ مسلمان اپنی روحانی روایات سے جو اُس کے دین کا جوہر ہے، متنفر ہوجائے۔ اس ''مشرق شناسی'' کے لیے السنۂ شرقیہ میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ ادق تصانیف کی شرحوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے قلم سے تیغِ برّاں کا کام لیتے ہیں۔ ہر طبقے میں استثنا کا امکان ہوتا ہے، ہم ایسے مستشرقین کو سلام پیش کرتے ہیں جن کی نیّت درست تھی اور جنھوں نے اپنے قلم سے فی الواقع علم کی خدمت کی۔ اِن معروضات کے بعد ہم اقبال اور حلّاج کے تعلّق کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اقبال اور حلّاج

جناب بشیر احمد ڈار نے اپنے ایک مضمون ''حسین بن منصور حلّاج اور اقبال'' میں تحریر کیا ہے:

> ''۷ا مئی ۱۹۱۹ء تک (علامہ اقبال کے ایک مکتوب بنام اسلم جے راج پوری کے حوالے سے) اور اِس کے کچھ بعد تک اقبال نے حلّاج کو کبھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، کیوں کہ اُن کے نزدیک حلّاج وحدت الوجود کا علم بردار تھا اور اِس لیے ناقابلِ التفات، لیکن ۱۹۲۳ء یا اِس سے کچھ قبل نکلسن کی کتاب ''تصوف میں شخصیت کا تصور'' شائع ہوئی۔ اِس کتاب میں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حلّاج وحدت الوجودی نہ تھا اور اُس کے نعرۂ انا الحق کا مطلب وہ نہیں جو وحدت الوجودی شعرا اور مفکرین نے پیش کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے مطالعے کے بعد اقبال کی رائے حلّاج کے متعلق بالکل تبدیل ہوگئی''۔☆۳۹

یہ مضمون علامہ اقبال کے حلّاج سے متعلق یکسر تبدیلی کے جواز میں ہے اور اِس کی نوعیت مدافعانہ ہے لیکن ہم نے نکلسن کی تصنیف ''تصوف میں شخصیت کا تصور''

Marfat.com

سے جو اقتباسات اوپر درج کیے ہیں، اُن میں نکلسن نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلاج کا نعرۂ 'اناالحق' قدیم یہودی اور نصرانی روایات کا حامل ہے، اِس میں شامی مسیحیت کا عقیدۂ لاہوت و ناسوت مضمر ہے نیز قول اناالحق (میں تخلیقی حقیقت ہوں) شانِ ایزدی رکھنے والے شخص کا استعارہ ہے جس کے نمائندے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حلاج نے بظاہر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ثنا کی ہے۔ لیکن بباطن یہ عیسیٰ علیہ السلام کی مدح ہے۔ اِس خصوص میں علامہ اقبال کا ردعمل کیا رہا یا خود بشیر احمد ڈار، نکلسن اور لوئی مائی سی نون کے اِس مفروضے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں، اِن نکات پر ڈار صاحب کا مضمون کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ البتہ ''جاوید نامہ'' میں حلاج کی زبان سے اثباتِ خودی پر ایک ولولہ انگیز تقریر ضرور ملتی ہے۔☆۴۰

اب حلاج کے نعرۂ انا الحق کی صورت یہ ہوئی کہ اِس کی ایک تشریح وجودی شعرا اور مفکرین نے وحدت الوجود کے نقطۂ نظر سے کی۔ دوسری تشریح نکلسن اور لوئی ماسی نون نے قدیم یہودی اور نصرانی روایات کی روشنی میں کی۔ تیسری تشریح علامہ اقبال نے اپنے نظریۂ خودی کے تحت کی (یہ خیال رہے کہ پہلے علامہ اقبال حلاج کے مخالف تھے لیکن نکلسن کی کتاب ''تصوف میں شخصیت کا تصور'' پڑھنے کے بعد اُس کے موافق ہوگئے)

اِس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ حلاج نے اناالحق نہیں کہا تو تمام گروہوں کی تشریحات اور تحقیقات بے معنی ہوجائیں گی۔

بہرحال زیرِ نظر باب میں جو حقائق و شواہد پیش کیے گئے ہیں، اُن کے مطابق داتا گنج بخش علی ہجویری کا موقف یہ ہے کہ (تیسری صدی ہجری کے دورِ انتشار میں) حسین بن منصور بیضاوی اور حسن منصور بغدادی دو علاحدہ شخص تھے۔ اوّل الذکر لباسِ صلاح سے پیراستہ اسلامی شعائر کے پابند صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ اُن کی تصانیف میں قابلِ اعتراض کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے اُن کی تقلید سے احتراز کرنا ہی مناسب ہے۔ دوسرا شخص حسن منصور بغدادی تھا جو ساحر و ملحد تھا اور

Marfat.com

ابوسعید قرمطی کا رفیقِ کار تھا۔ امام قشیری کہتے ہیں کہ حسین بن منصور نے توحید کی جو تعریف کی ہے وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے (امام قشیریؒ نے توحید کی تعریف کا باب حسین بن منصور بیضاوی کے قول سے شروع کیا ہے یہ امام رحمتہ اللہ علیہ کے حسنِ ظن کی دلیل ہے)۔

کتب تواریخ بالخصوص طبری اور صلۃ الطبری میں اُن کے حالات کو حسن منصور ملحد بغدادی سے خلط کر دیا ہے اور اِس بے احتیاطی نے اُنھیں ایک متنازع شخص بنا دیا ہے۔

بیسویں صدی میں مستشرقین نے حسین بن منصور بیضاوی کے قول ''اناالحق'' کے مفروضے پر تحقیقات کیں جن کا اثر علامہ اقبال کی تعبیرِ اناالحق میں واضح طور پر نمایاں ہے۔

یہ زیرِ نظر باب کا خلاصہ ہے۔ آئندہ باب میں اِس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی کہ حسین بن منصور کی سزائے قتل کا سببِ اصلی کیا ہے۔

حواشی

۱۔ تاریخ بغداد مصنفہ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، ترجمہ چودھری غلام رسول مشمولہ: حسین بن منصور حلاج، مرتبہ خورشید نعیم ملک لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۳۵ تا ۳۷۔

☆۲۔ حضرت ابو القاسم قشیریؒ کا اسم گرامی ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری تھا۔ ۳۷۶ھ سالِ ولادت ہے۔ وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ 'رسالۂ قشیریہ' آپ کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اِس کا اردو ترجمہ اسلام آباد سے شائع کیا ہے۔

☆۳۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی۔ تیسری صدی کے عہدِ عباسیہ کا مشہور طبیب اور دانش ور۔ اُس کی ولادت ۲۵۰ھ میں بمقام رے ہوئی اور یہیں ۲۹۰ھ یا ۳۱۳ھ میں اُس کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں، دائرۃ المعارف اسلامیہ (اردو) جلد ۱۰، ص ۱۱۰۔

☆۴۔ ابوسعید قرمطی، تیسری صدی ہجری میں خروج کرنے والی قرمطی تحریک کی اہم شخصیت ہے۔ اُسے ابوسعید جنابی بھی کہتے ہیں۔ ۲۷۱ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے دورِ خلافت میں ایک قرمطی داعی یحییٰ بن مہدی نے قطیف میں دعویٰ کیا کہ وہ مہدی موعود کا داعی ہے۔ قطیف اور بحرین کے شیعیانِ علی نے اس کی دعوت قبول کرلی جن

Marfat.com

میں سب سے اہم شخصیت ابوسعید قرمطی کی تھی۔ اُس نے کئی جگہ خلیفہ کی فوج کو شکست دی۔ علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے اسی ابوسعید جنابی قرمطی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ حسن بن منصور حلاج اِسی ابوسعید قرمطی کا رفیق اور محمد بن زکریا کا استاد تھا جسے حسین بن منصورؒ سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ ابوسعید قرمطی کے سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں تاریخ اسلام، حصہ سوم از شاہ معین الدین احمد ندوی، صص ۲۰۶۔ ۲۰۷۔

☆۵۔ کشف المحجوب (فارسی) لاہور ایڈیشن، ص ۱۵۸ ترجمہ از راقم السطور۔

☆۶۔ سیرت منصور حلاج، ص ۲۶۶۔ مولانا ظفر احمد عثانی رحمتہ اللہ علیہ نے ''سیرت منصور حلاج'' کے آخر میں تاریخ بغداد اور طبری کے اصل متون جن کے حوالے اُنھوں نے اپنی تصنیف میں دیے ہیں، تحریر کر دیے ہیں۔ مولانا مرحوم نے طبری کا یہ عنوان دیا ہے:

ذکر خبر الحسین بن منصور الحلاج عن ابن جریر طبری

اِن متون میں جلد اور صفحات کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ راقم السطور کو اصل تاریخ بغداد اور تاریخ طبری دستیاب نہ ہوسکیں۔ مولانا رحمتہ اللہ علیہ جلیل القدر عالم دین اور ثقہ بزرگ تھے۔ راقم السطور نے مولانا موصوف پر اعتماد کرتے ہوئے جہاں ضرورت ہوئی ہے، اُن کا شائع کردہ عربی متن اور اُنھی کا کیا ہوا ترجمہ نقل کیا ہے۔ یہ اقتباس تاریخ طبری سے نقل کیا گیا ہے۔ اِس کا ترجمہ صفحہ ۱۱۴ پر ہے۔

☆۷۔ سیرت منصور حلاج۔ صص ۲۵۷۔۲۵۸ (اردو ترجمہ، صص ۱۱۱۔۱۱۲)

☆۸۔ مورخ محمد ابن جریر طبری کے بارے میں شاہ معین الدین احمد ندوی کی رائے ہے۔

> ''گو طبری مستند مورخ ہے لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ایک واقعے کے متعلق جس قدر مستند اور غیر مستند روایتیں ہوتی ہیں، بلا اظہارِ رائے سب کو نقل کر دیتا ہے، کسی پر نقد و تبصرہ نہیں کرتا۔''

ملاحظہ فرمائیں، تاریخ اسلام، جلد سوم، ص ۷۶۔ مولانا اکبر شاہ خاں نے بھی تحریر کیا ہے کہ جعفر برمکی کے قتل کے سو سال بعد طبری نے ہارون الرشید کی بہن عباسہ اور جعفر برمکی کا قصہ نقل کرنے میں بے احتیاطی کی اور افواہ کو واقعہ بنا دیا۔ ملاحظہ فرمائیں، تاریخ اسلام، حصہ دوم از اکبر شاہ خاں، ص ۳۷۰۔

☆۹۔ حسین بن منصور حلاج۔ اقتباس از کشف المحجوب، ترجمہ ذوالفقار احمد تابش ص ۳۲۔

☆۱۰۔ ایضاً ص ۳۱۔

☆۱۱۔ ایضاً ص ۳۱۔

☆۱۲۔ ایضاً ص ۳۲۔

☆۱۳۔ رسالہ قشیریہ ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۸۴، ص ۱۱۰۔ ۱۱۱

☆۱۴۔ التعرف لمذہب اہل التصوف، مصنفہ ابوبکر بن ابو اسحٰق کلاباذی۔ ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن، لاہور ۱۹۷۸، صص ۴۹ تا ۵۱۔

☆۱۵۔ ملاحظہ فرمائیں، تذکرہ الاولیا (فارسی) چاپ پنجم، مرتبہ میرزا محمد خاں، قزوینی، تہران سال طبع ندارد، ص ۱۱۴ تا ۱۲۳ اردو ترجمہ از خواجہ عبدالحمید یزدانی مشمولہ، حسین بن منصور حلاج، محولہٗ بالا، صص ۹ تا ۲۷

☆۱۶۔ ملاحظہ فرمائیں، نفحات الانس (فارسی) مرتبہ مہدی توحید پور تہران ۱۳۳۶ش صص ۱۵۰۔ ۱۵۱

Marfat.com

☆۱۷۔ سیر الاولیا (فارسی) مصنفہ میرخورد کرمانیؒ، لاہور ۱۹۷۸ء، باب ششم، ص ۳۳۷۔ ترجمہ از راقم السطور۔ اِس عبارت میں لفظ ''مردود'' انتہائی سخت معنی میں مستعمل نہیں ہوا ہے جس طرح عام طور پر اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے بلکہ ''نا قبول'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی جب کوئی مرید اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر دوسرے شیخ سے بیعت کرنا چاہے تو دوسرا شیخ مذکورہ سبب کی بنا پر اُسے بیعت میں لینا قبول نہیں کرتا، طریقت میں ایسے شخص کو مردود یعنی نا قبول کہتے ہیں۔ اِس عبارت میں حسین بن منصورؒ کے شیخ اول کا نام ''خیر نساج'' تحریر ہوا ہے لیکن ''کشف المحجوب'' میں سہل بن عبداللہ اور عمرو بن عثمان مکی کے نام بیان کیے گئے ہیں۔ اِس سے امرِ واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت سلطان المشائخ نے کسی کتاب میں خیر نساج کا نام پڑھا ہو اور یہی نام آپ کو یاد رہا ہو اس کے علاوہ سہواً بھی ایسا ہونا ممکن ہے۔

☆۱۸۔ سیر الاولیا (فارسی) باب ہشتم، ص ۴۸۶۔

☆۱۹۔ روح الارواح کے مصنف حسین بن عالم بن ابی الحسین (م ۷۲۸ھ) تھے جو امیر حسینی کے نام سے مشہور ہیں، ملاحظہ فرمائیں، نفحات الانس، محولۂ بالا ۶۰۵۔

☆۲۰۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۵۸۔

☆۲۱۔ ایضاً ص ۱۵۷۔

☆۲۲۔ ایضاً ص ۱۵۸۔

☆۲۳۔ سیرت منصور حلاج۔ ص ۶۵۔

☆۲۴۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۵۸۔

☆۲۵۔ ایضاً ص ۱۵۸۔

☆۲۶۔ فوائد الفواد (فارسی) حسن علا سجزیؒ، جلد پنجم، مجلس ۲۷، ص ۴۳۱، مرتبہ محمد لطیف ملک لاہور ۱۹۶۶ء، ترجمہ از راقم السطور۔

☆۲۷۔ سیرت منصور حلاج۔ ص ۲۳۸، اردو ترجمہ، ص ۹۱۔

☆۲۸۔ اِسے کہتے ہیں ''دروغ گویم بر روئے تو'' (جھوٹ بولنا اور منہ پر جھوٹ بولنا) ہفتوں کشتی میں ساتھ رہے۔ بات چیت ہوئی حسین بن منصور کے حسنِ معاشرت اور پاکیزہ صحبت ہونے کا اندازہ بھی ہوگیا لیکن دورانِ سفر ہندوستان جانے کا مقصد دریافت نہیں کیا۔ جب رخصت ہونے لگے تب دریافت کیا۔ سچ ہے جھوٹ بولنے والے کا حافظہ درست نہیں ہوتا۔

☆۲۹۔ سیرت منصور حلاج۔ ص ۲۵۹، اردو ترجمہ، ص ۹۲۔

☆۳۰۔ عرب و ہند کے تعلقات، مصنفہ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ، اشاعت اوّل الہ آباد ۱۹۳۰ء، ص ۳۲۶۔

☆۳۱۔ اِس سلسلے میں داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کا قولِ فیصل ''کشف المحجوب'' کے اقتباسات میں نقل کیا جا چکا ہے، فرماتے ہیں:

> ''اور جو لوگ اِس جواں مرد سے سحر منسوب کرتے ہیں، وہ محال بات کرتے ہیں۔
> اہلِ سنت و جماعت کے اہلِ بصیرت کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مسلمان ساحر یا ایک کافر مکرّم نہیں ہوسکتا اور اضداد مجتمع نہیں ہوسکتے۔

Marfat.com

ملاحظہ فرمائیں، حسین بن منصور حلاج، مرتبہ خورشید نعیم ملک، ص ۳۱۔

☆۳۲۔ تاریخ طبری، حصہ دہم، مصنفہ ابن جریر طبری، ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی، کراچی ۱۹۸۱ء، اشاعت دوم، ص ۳۴۳۔

☆۳۳۔ The Idea of Personality in Sufism، مصنفہ رینالڈ اے نکلسن، کیمبرج یونیورسٹی پریس، لندن، ص ۱۳-۱۴، ترجمہ راقم السطور

☆۳۴۔ ایضاً ص ۲۶، ترجمہ از راقم السطور

☆۳۵۔ ایضاً ص ۲۶، ترجمہ از راقم السطور

☆۳۶۔ ایضاً ص ۲۷، ترجمہ از راقم السطور

☆۳۷۔ ایضاً ص ۲۷ ترجمہ از راقم السطور

☆۳۸۔ ایضاً ص ۲۹ تا ۳۱، ترجمہ از راقم السطور

☆۳۹۔ ماہنامہ "ماہ نو" کراچی، اقبال نمبر، اپریل ۱۹۷۰ء ص ۱۷۱-۱۷۲

☆۴۰۔ ایضاً ص ۱۷۵

Marfat.com

بابِ سوم

حسین بن منصور کی سزائے قتل کا اصل سبب

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے سیرتِ منصور حلاج میں تحریر کیا ہے:

''ابنِ منصور کی زبان سے ''انا الحق'' کا نکلنا صوفیہ میں بہت مشہور ہے، مگر تعجب ہے کہ تاریخِ خطیب، تاریخِ طبری اور صلۃ الطبری وغیرہ میں اِس کا اصلاً ذکر نہیں، بڑی تلاش کے بعد تاریخِ قزوینی میں اِس کا ذکر ملا ہے۔'' ☆۱

مولانا مرحوم کا یہ استعجاب بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اپنے تمام تر حقائق کے ساتھ اِس کی اصل موجود ہے۔ یہی نہیں کہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) عریب بن سعد قرطبی (م ۳۶۵ھ کے بعد) خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) اور ابن اثیر کامل (م ۶۳۰ھ) کی تصانیف میں ابنِ منصور کے انا الحق کہنے کی شہادت نہیں ملتی بلکہ اُن کے عصر اور اُس سے پیوستہ بعد کے زمانے کے صوفیہ امام کلاباذی (م، اواخر چہارم صدی ہجری) امام قشیری (م ۴۶۵ھ) اور داتا گنج بخش (م، بعد ۴۶۵ھ) کی تصانیف میں قولِ انا الحق کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ چھٹی صدی ہجری میں حکیم سنائی غزنویؒ (م ۵۳۵ھ) اور خواجہ احمد جامؒ (م ۵۳۶ھ) کے کلام میں ''انا الحق'' کا قول نظم کیا گیا ہے۔ اِس کے بعد خواجہ عطّار (م ۶۲۷ھ) اور مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) نے اپنے تذکروں میں قولِ

Marfat.com

انا الحق کو ابنِ منصور سے منسوب کیا ہے۔☆۲۔

اِس اجمال سے مستنبط ہوتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے اختتام تک صوفیہ کی تصانیف میں ابنِ منصور سے منسوب قولِ انا الحق کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے آخری چند عشروں میں یہ روایت گروہِ صوفیہ میں مشتہر ہوئی اور چوں کہ مضمون دل کش اور روحانی مسرتوں کو بالیدہ کرنے والا تھا، سب نے نہ صرف اِس سے ذوق ولطف حاصل کیا بلکہ فکر انگیز نکات پیدا کر کے ''انا الحق'' کو مستقل عنوان بنا دیا۔ مستشرقین نے بھی قول انا الحق کی کماحقہٗ تحقیق کے بغیر اپنی تحقیقات وتعبیرات کی بنیاد اِس پر قائم کی۔

پروفیسر عتیق الرحمٰن عثمانی نے ''طواسین'' کے پیش لفظ میں طاسین الصفا اور طاسین الازل والالتباس کے مندرجات کا تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اِن مندرجات سے ابن منصور کا خود کو انا الحق (میں خدا ہوں) کہنا متبادر نہیں ہوتا بلکہ خود کو حق تعالیٰ کی تجلّی کا مظہر کہنا مفہوم ہوتا ہے۔☆۳۔ اِس کے علاوہ سب سے زیادہ محکم اور مستند شہادت حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی ہے جنھوں نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے حسین بن منصور کے تصنیف کردہ پچاس رسالے پڑھے ہیں اِن میں میں نے ایسے سخن پائے جو مرید سے ابتدا میں سرزد ہوتے ہیں۔☆۴ (یعنی قابل گرفت کوئی کلام نہیں ملتا)۔

قولِ انا الحق کے بارے میں علاّمہ قزوینی (م ۶۸۲ھ) نے آثار البلاد و اخبار العباد (تاریخِ قزوینی) میں جو روایت درج کی ہے، اُس کا کوئی راوی ہی نہیں ہے، اور وہ بھی تین سو سال بعد۔ بہرحال جرح وتعدیل سے قطعِ نظر علاّمہ قزوینی کے بیان سے ظاہر نہیں ہوتا کہ قولِ انا الحق ابن منصور کی سزائے قتل کا سبب بنا۔ البتہ عام لوگوں کی ناپسندیدگی کا اظہار ضرور ملتا ہے۔ علاّمہ موصوف کی روایت یہ ہے:

فلما ظھر قول اناالحق انکرہ الناس وتکلموافیہ وقالوقل انا علی الحق
فقال ما اقول الا اناالحق۔☆۵

(جب اُنھوں نے انا الحق کہنا شروع کیا تو لوگوں نے اُن سے بے اعتقادی ظاہر کی اور اُن کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ بعض لوگوں نے اُن سے یہ بھی کہا، انا علی الحق کہو (انا الحق نہ کہو) تو کہا، میں تو انا الحق ہی کہوں گا۔)

عدالتِ انصاف میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے یہ بیان کافی نہیں ہے، چنانچہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ابنِ منصور کی سزائے قتل کے لیے قولِ انا الحق کو بنیاد قرار نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے حیلے تراش کر اُنھیں نشانہ ظلم بنایا گیا، اِس کی تفصیل آیندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

اِن حقائق وشواہد سے یہ مسئلہ بے غبار ہوجاتا ہے کہ ابنِ منصور کی زبان سے کلمۂ انا الحق ادا نہیں ہوا۔ اُن کے قتل کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد غالباً کسی خاص رجحان یا صورتِ حال نے اِس قول کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا اور امتدادِ زمانہ نے اُسے حقیقت کا روپ دے دیا۔

اب حسین بن منصور بیضاوی کی سزائے قتل کے اصل سبب کی تحقیق پیشِ نظر ہے۔ دیکھتے ہیں اِس صدف سے کیا برآمد ہوتا ہے۔ راقم السطور نے گزشتہ باب میں محمد ابن جریر طبری کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ایک شخص کو جس کی عرفیت ''الحلاج'' اور کنیت ابو محمد مشعوذ تھی، وزیر علی بن عیسیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، وہی روایت یہاں مکرّر نقل کی جاتی ہے تاکہ دوسری روایتوں سے اِس کی پیوستگی کے باعث تجزیہ آسان اور قریب الفہم ہوسکے۔

''اِسی سال (۳۰۱ھ میں) علی بن عیسیٰ کے مکان پر ایک شخص کو حاضر کیا گیا، جس کے متعلق بیان کیا گیا کہ اُس کا عرف ''الحلاج'' اور کنیت ابو محمد مشعوذ (شعبدے باز) ہے۔ اُس کے ہمراہ اُس کا ایک ساتھی بھی تھا۔

میں نے لوگوں کی ایک جماعت سے سنا جن کا یہ گمان تھا،

Marfat.com

وہ رب (پروردگار) ہونے کا مدعی ہے۔

اُسے اور اُس کے ساتھی کو تین دن تک ہر روز شروع سے نصف النہار تک لٹکایا گیا، اُن دونوں کو اتارا جاتا تھا اور اُن کے قید کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ وہ طویل مدّت تک قید رکھا گیا۔ ایک جماعت اِس فتنے میں مبتلا ہوگئی جن میں نصرالقشوری (حاجب) وغیرہ بھی تھے، یہاں تک کہ جو اُس کی برائی کرتا تھا لوگ اُسے بددعا دیتے تھے اور اُس پر غل مچاتے تھے۔ اُس کا معاملہ پھیل گیا اور وہ قید سے نکالا گیا۔

اُس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے گئے پھر اُس کی گردن ماردی گئی، پھر اُسے آگ میں جلا دیا گیا''۔☆٦

اِس روایت میں جو ضعف اور خامی ہے، اُسے راقم السطور نے باب دوم میں متعلقہ مقام پر بیان کردیا ہے، یہاں تسلسلِ مضمون کے خیال سے پھر عرض کیا جاتا ہے کہ حسین بن منصور بیضاوی کی کنیت ابو المغیث تھی ابو محمد نہیں تھی۔ مذکورۂ بالا روایت سے قطعی طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ بہیمانہ سزا کس جرم میں دی گئی، استغاثے میں کیا الزام عائد کیا گیا تھا، عدالت نے کیا فیصلہ صادر کیا۔ مذکورہ روایت اِن اہم پہلوؤں پر کوئی اطلاع فراہم نہیں کرتی۔ جائے حیرت یہ ہے کہ ابن منصور کی ۳۰۱ھ میں گرفتاری کے بعد مورخ طبری نو سال تک حیات رہے وہ آسانی سے روایت کو درست کرسکتے تھے لیکن کسی باعث نہ کرسکے، اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

عریب بن سعد قرطبی کی پہلی روایت

مورخ طبری کے مذکورۂ بالا بیان کے بعد ذیل میں صلۃ الطبری سے عریب بن سعد قرطبی کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے:

وکان الوزیر حامد بن العبّاس قد وجد لہ کتبا وفیھا انہ اذا صام الانسان ثلاثۃ ایام بلیالیھا ولم یفطر و اخذ فی الیوم الرابع ورقات

Marfat.com

ھندبا فافطر علیھا اغناہ عن صوم رمضان و اذا صلی فی لیلۃ واحدۃ رکعتین من اوّل اللیل الی الغداۃ اغناہ عن الصلوٰۃ بعد ذلک و اذا تصدق فی یوم واحد بجمیع ملکہ فی ذلک الیوم اغناہ عن الذکوٰۃ واذابنی بیتا وصام ایام ثم طاف حولہ عریانا مرارا اغناہ عن الحج واذا صارالی قبورالشھداء بمقابر قریش فاقام فیھا عشرۃ ایام یصلی ویدعو و بصوم ولایفطر الا علی یسیرمن الخبز الشعیر والملح الجریش اغناہ ذلک عن العبادۃ فی باقی عمرہ۔

فاحضرالفقھاء والقضاۃ بحضرۃ حامد فقیل لہ اتعرف ھذاالکتاب قال ھذا کتاب السنن للحسن البصری فقال لہ حامد الست تدین بما فی ھذا الکتاب فقال بلی ھذا کتاب ادین اللہ بمافیہ فقال لہ ابوعمر القاضی ھذا نقض شرائع الاسلام ثم جاراہ فی کلام الی ان قال لہ ابوعمر یا حلال الدم و کتب یا حلال دمہ و تبعہ الفقھاء فافتوا بقتلہ واباحوا دمہ فکتب الی المقتدر بذلک فکتب اذا کانت القضاۃ قد افتوابقتلہ و اباحوا دمہ فلیحضر محمد بن عبدالصمد صاحب الشرطہ ولیضر بہ الف سوط وان تلف والا ضربت عنقہ۔☆۷

وزیر حامد بن عبّاس نے اُس کی (حلّاج کی) بعض کتابوں میں یہ مضمون بھی پایا کہ اگر آدمی تین دن تین رات متواتر روزے رکھے اور (درمیان میں) افطار نہ کرے، چوتھے روز ہندبا کے چند پتوں پر افطار کرے تو رمضان کے روزوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر کسی رات میں شروع سے صبح تک دو رکعتیں پڑھے تو اُس کے بعد نماز کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر کسی دن اپنی ساری مملوکات کو جو اُس وقت اُس کے مِلک میں ہوں، صدقہ کردے تو (ہمیشہ کے لیے) زکوٰۃ کا قائم مقام ہوجائے گا

اور اگر ایک کمرہ بنا کر چند روزے رکھے پھر اُس کمرے کے گرد ننگا ہو کر طواف کرے تو اُس کو حج کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر قریش کے قبرستان جا کر قبورِ شہدا کی زیارت کرے اور وہاں دس دن قیام کر کے نماز پڑھتا رہے اور متواتر روزے رکھے اور افطار کے وقت بجز قدرِ قلیل جو کی روٹی اور خالص نمک کے کچھ نہ کھائے پھر اُس کو ساری عمر عبادت کی ضرورت نہ رہے گی۔

وزیر نے علما فقہا اور قاضیوں کو جمع کیا، پھر حلاج سے پوچھا گیا کہ تم اِس کتاب کو پہچانتے ہو؟ کہا، ہاں یہ ''کتاب السنن'' حسن بصریؒ کی ہے۔ حامد نے کہا، کیا تم اِس کتاب کے مضامین کو نہیں مانتے؟ کہا کیوں نہیں، یہ تو ایسی کتاب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِس کے موافق معاملہ کرتا ہوں۔ قاضی ابوعمر نے کہا، یہ تو سراسر احکامِ اسلام کے منافی ہے۔ پھر قاضی نے اُن سے کچھ اور گفتگو کی یہاں تک کہ اُس کی زبان سے حلاج کے متعلق یا حلال الدم نکل گیا۔ فقہا نے بھی اِس کی موافقت کی اور اُن کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ اُن کے خون کو مباح کر دیا گیا۔ پھر یہ سب کارروائی مقتدر باللہ کے پاس لکھ کر بھیجی گئی تو اُس نے فرمان بھیج دیا کہ اگر قاضیوں نے حلاج کے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے تو محمد بن عبدالصمد کوتوال حاضر ہو، اور اُس کے ہزار کوڑے لگائے، اگر اُسی میں ہلاک ہوجائے تو فبہا ورنہ گردن مار دی جائے۔)

عریب بن سعد قرطبی کی مندرجۂ بالا روایت سے متعلق آیندہ پیش کی جانے والی دو روایتوں کے بعد کچھ عرض کیا جائے گا۔ پہلی روایت عریب بن سعد کی اور دوسری خطیب بغدادی کی ہے۔

Marfat.com

عریب بن سعد قرطبی کی دوسری روایت:

''ثم وجد حامد کتابا من کتبہ: فیہ ان الانسان اذا اراد الحج فلم یمکنہ افرد فی بیتہ بیتاً مربعا لا یلحقہ شیئ من النجاسات ولایطرقہ احد فاذا حضرت ایام الحج طاف حولہ وقضی من المناسک مایقضی بمکۃ ثم یجمع ثلاثین یتیما و یعمل لھم مایمکنہ من الطعام ویحضرھم ذلک البیت و یقدم لھم ذلک الطعام ویتولی خدمتھم بنفسہ ثم یغسل ایدیھم ویکسو کل واحد منھم قمیصا ویدفع الی کل واحد منھم سبعۃ دراھم اوثلثۃ دراھم الشک من ابی القاسم ابن زنجی و ان ذلک یقوم لہ مقام الحج۔

قال وکان ابی یقرأ ھذا الکتاب فلما استوفی ھذا الفصل التفت ابو عمر القاضی الی الحلاج وقال لہ من این لک ھذا قال من کتاب الاخلاص للحسن البصری قال لہ ابو عمر کذبت یا حلال الدم قد سمعنا کتاب الاخلاص للحسن البصری بمکۃ ولیس فیہ شیئ مما ذکرت فلما قال ابو عمر یا حلال الدم قال لہ حامدا کتب بما قلت (یعنی حلال الدم) فتشا غل ابو عمر بخطاب الحلاج فلم یدعہ حامد یتشاغل والح علیہ الحاحا لایمکنہ معہ المخالفۃ فکتب یا حلال دمہ وکتب بعدہ من حضر المجلس۔ ☆۸

خطیب بغدادی کی روایت:

''وکان یخرج الی حامد فی کل یوم دفاتر مما حمل من دور اصحاب الحلاج ویجعل بین یدیہ فیدفعھا الی ابی ویتقدم الیہ بان یقرأھا علیہ فکان یفعل ذلک دائما فقرأ علیہ فی بعض الایام من کتب الحلاج والقاضی ابو عمر حاضر و القاضی ابو الحسین بن الاشنانی کتابا حکی فیہ ان الانسان اذا اراد الحج ولم یمکنہ افرد فیہ دارہ بیتا لا

Marfat.com

یلحقہ شیئ من النجاسۃ ولا یدخلہ احد ومنع من تطرقہ فاذا حضرت ایام الحج طاف حولہ طوافہ حول البیت الحرام فاذا انقضی ذلک وقضی من المناسک مایقضی بمکۃ مثلہ جمع ثلاثین یتیما وعمل لھم امراً مایمکنہ من الطعام و احضرھم الی ذلک البیت و قدم الیھم ذلک الطعام و تولی خدمتھم بنفسہ فاذا فرغوا من اکلھم و غسل ایدیھم کساکل واحد منھم قمیصا ودفع الیہ سبعۃ دراھم او ثلاثۃ الشک منی۔ فاذا فعل ذلک قام لہ مقام الحج۔

فلما اقرأ الی ھذا الفصل التفت ابو عمر القاضی الی الحلاج وقال لہ من این لک ھذا قال من کتاب الاخلاص للحسن البصری فقال لہ ابوعمر کذبت یا حلال الدم قدسمعنا کتاب الاخلاص للحسن البصری بمکۃ ولیس فیہ شئی مما ذکرتہ فلما قال ابوعمر کذبت یا حلال الدم قال لہ حامد اکتب بھذا فتشاغل ابو عمر بخطاب الحلاج فاقبل حامد یطالبہ بالکتاب بما قالہ وھو یدافع ویتشاغل الی ان مد حامد الدواۃ من بین یدیہ الی ابی عمرو دعا بدرج فدفعہ الیہ والح الیہ حامد بالمطالبۃ الحاحالم یمکنہ معہ المخالفۃ فکتب یا حلال دمہ وکتب بعدہ من حضر المجلس"۔☆۹

(وزیر حامد بن عباس کے پاس روزانہ دفتر کے دفتر حلاج کے اصحاب (اور مریدوں کے گھر) سے لائے جاتے تھے (جن میں حلاج کے خطوط اور کتابیں ہوتی تھیں) ایک دن اُس کے سامنے حلاج کی ایک کتاب پڑھی جارہی تھی، جس میں یہ مضمون تھا کہ اگر کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور قدرت نہ رکھتا ہو، وہ اپنے گھر میں سے ایک کمرہ مربع (عبادت کے لیے) مخصوص کرلے اور اُس کو پاک صاف رکھے۔ کسی قسم کی نجاست وہاں نہ

Marfat.com

پہنچ سکے نہ اُس کے سوا کوئی دوسرا وہاں جائے۔ سب کو اُس کمرے سے روک دے، پھر ایّامِ حج میں اُس گھر کا طواف کرے جیسا خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور جو مناسکِ مکّہ میں ادا کیے جاتے ہیں سب بجا لائے۔ جب یہ کر چکے تو تیس یتیموں کو جمع کر کے اُس گھر کے سامنے اپنی ہمّت و قدرت کے موافق کھانا کھلائے اور بذاتِ خود اُن کی خدمت کرے، جب وہ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھولیں تو ہر ایک کو ایک ایک کُرتا پہنائے۔ پھر ہر ایک کو سات درہم یا تین درہم دے (ابو القاسم بن زنجی کو شک ہے) یہ عمل اُس کے لیے حج کا قائم مقام ہوگا۔

جس وقت یہ کتاب پڑھی جارہی تھی وزیر حامد کی مجلس میں قاضی ابو عمرو، قاضی ابو الحسین ابن الاشانی اور ابو جعفر بن بہلول قاضی اور علما و شہود کی ایک جماعت موجود تھی۔ قاضی ابو عمر نے حلاّج کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ یہ مضمون تجھے کہاں سے پہنچا؟ کہا، حسن بصری کی کتاب الاخلاص سے، قاضی ابو عمر نے کہا، اے حلال الدم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ ہم نے مکّہ میں حسن بصریؒ کی کتاب الاخلاص سنی ہے، اُس میں تو یہ مضمون نہیں تھا۔ پس قاضی ابو عمر کی زبان سے یا حلال الدم، نکلنا تھا کہ وزیر حامد نے اِس لفظ کو پکڑ لیا اور کہا اِس لفظ کو لکھ دیجیے۔ قاضی ابو عمر حلاّج سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھ کر اِس بات کو ٹالنے لگے مگر حامد نے اُن کو نہ چھوڑا۔ وہ تو برابر ٹالنے اور دوسری باتوں میں لگنے کی کوشش کرتے رہے اور حامد اِس بات کو لکھنے کا مطالبہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حامد نے دوات اپنے آگے سے بڑھا کر قاضی کے سامنے رکھ دی اور کاغذ منگا کر اُس کے حوالے کیا اور بہت سختی

Marfat.com

کے ساتھ اِس بات کے لکھنے کا مطالبہ کیا جس کے بعد قاضی مخالفت نہ کرسکا اور ابنِ منصور کے جوازِ قتل کا فتویٰ لکھ دیا۔ اُن کے بعد دوسرے حاضرین مجلس نے بھی اُس پر دستخط کرنا شروع کیے۔)

حسین بن منصور کے سببِ قتل سے متعلق تیسری روایت ابنِ اثیر کامل (م:۶۳۰ھ) کی ہے اور یہ لفظاً و معناً عریب و خطیب کی روایتوں کی نقل ہے یعنی خواجہ حسن بصریؒ کی کتاب الاخلاص کے حوالے سے اپنے گھر کا طواف حج کا نعم البدل بیان کیا گیا ہے۔☆۱۰

عریب بن سعد قرطبی کی پہلی اور دوسری روایت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابنِ منصور کی کتابوں میں یہ مضمون پایا گیا کہ فلاں فلاں اعمال کی ادائی سے تمام زندگی، روزنے، نماز، زکوٰۃ، حج اور عبادت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ قاضی کے استفسار پر ابنِ منصور نے اِس مضمون کا ماخذ خواجہ حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کی کتاب السنن کو بتایا۔ قاضی نے کتاب کے مندرجات کو احکامِ اسلام کے منافی قرار دے کر اُنھیں ''یا حلال الدم'' (اے کہ تیرا خون حلال) کہہ کر مخاطب کیا۔ وزیر حامد بن عباس نے اِس جملے کو پکڑ لیا اور قاضی سے ابنِ منصور کے قتل کا فتویٰ حاصل کرلیا۔ عریب ہی کی دوسری روایت میں گھر کے طواف کو حج کا قائم مقام بیان کیا گیا ہے اور خواجہ حسن بصریؒ کی کتاب الاخلاص کو اِس کا ماخذ ظاہر کیا ہے۔ دونوں روایتوں میں مقدمے کی صورتِ حال، عدالت کی کارروائی، الزامات اور کتاب کے ناموں میں جو نمایاں اختلافات ہیں اُسی سے اِن روایتوں کا غیر مستند ہونا ثابت ہے۔

خطیب بغدادی اور ابنِ اثیر کی روایت میں صرف ایک الزام یعنی گھر کے طواف کا ذکر ہے۔ روایت میں کہا گیا ہے کہ ابنِ منصور نے اِس طواف کو حج کا قائم مقام ہونے کی سند خواجہ حسن بصریؒ کی کتاب الاخلاص بتائی۔ اِس بیان پر قاضی کا یہ تبصرہ کہ اے حلال الدم ہم نے مکۂ معظمہ میں حسن بصری کی کتاب الاخلاص سنی ہے،

Marfat.com

اُس میں تمھارا موقف سرے سے موجود ہی نہیں ہے، راوی اور قاضیِ عدالت دونوں کے غلط گو قرار دیے جانے کے لیے کافی ہے کیوں کہ کتاب السنن اور کتاب الاخلاص دونوں کتابیں خواجہ حسن بصریؒ کی تصنیف کردہ نہیں ہیں۔ ''کتاب السنن'' کے عنوان سے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کے سلسلۂ تلامذہ کے دو عالموں احمد بن محمّد بن ہانی اور احمد بن محمّد بن الحجاج المروزی نے اپنی اپنی کتابیں تحریر کیں۔☆۱۱۔ اُن کے بعد ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ نیشاپوری (م ۴۱۲ھ) نے اِسی عنوان سے اپنی کتاب تصنیف کی۔☆۱۲۔ کتاب الاخلاص کے مصنف ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) ہیں۔☆۱۳۔ مذکورۂ بالا حقائق و شواہد سے ثابت ہوا کہ عریب بن سعد، خطیب بغدادی اور ابنِ اثیر نے حسین بن منصور بیضاوی کے سببِ قتل سے متعلق جو روایتیں نقل کی ہیں، جعلی اور مشکوک ہیں۔ عدل و انصاف کی نظر میں اِن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حسین بن منصور کے سببِ قتل اور دیگر سوانحی حالات میں غلط بیانی کی وجہ راویوں کے غیر ثقہ ہونے میں مضمر ہے۔ عریب بن سعد اور خطیب بغدادی کے راوی ابو القاسم زنجی، ابوبکر صولی، ابن باکویہ شیرازی اور ابو یعقوب اقطع ہیں اور یہ سب مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحقیق میں خلیفۂ وقت کے درباردار، مجہول اور غیر ثقہ اشخاص ہیں۔☆۱۴

اِس کے علاوہ روایتوں میں کذب و افترا کی ملاوٹ کے دیگر اسباب بھی ہیں۔ اِن میں ایک سبب تیسری صدی ہجری کے آخری چند عشروں میں قرامطہ اور علویوں کا ظہور و خروج ہے۔ اِس دور میں سلطنتِ عبّاسیہ میں ہر طرف انتشار و خلفشار کی حکمرانی تھی، خاص طور پر دارالسّلطنت بغداد اُن کی یورشوں کی آماج گاہ تھا۔ غریب عوام وزیروں کی لوٹ کھسوٹ سے پراگندہ روزی پراگندہ دل تھے۔ اِن حالات میں خلیفۂ وقت کو امن و امان کی بہتری کا یقین دلانے اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وزرا بے قصور اور بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ظلم کی پیاس بجھاتے تھے۔ حسین بن منصور کے قتل کا معاملہ اِسی ذیل میں آتا ہے۔ مورخین کی غلط روایتوں

Marfat.com

نے وزیر حامد بن عبّاس کی ابنِ منصور سے دشمنی کی وجہ پر پردہ ڈال دیا ہے لیکن اُن کے سیاق و سباق سے حامد بن عبّاس کی بدنیتی اور کینہ پروری بہرحال منعکس ہوجاتی ہے۔ وزیر کا بے جا ظلم اور تعدّی بھی حسین بن منصور کے قتل کا بنیادی سبب قرار دیا جاسکتا ہے:

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے
(لوگوں کو میری قبر کی لوح پر غیب سے لکھی ہوئی تحریر ملی کہ اِس
مقتول کا بجز بے گناہی کوئی قصور نہیں ہے۔)

یہاں ایک اور قوی امکان پر بھی غور کیا جاسکتا ہے، جس کی نشان دہی داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ نے اپنے ترجمۂ ابنِ منصور میں کی ہے کہ بعض بزرگوں کا موقف ہے کہ یہ یکساں نام کے دو شخص تھے۔ ایک یہی حسین بن منصور جو فارس کے علاقے بیضا کے باشندے تھے اور دوسرا شخص حسن منصور ملحد بغدادی تھا جو محمد بن زکریا طبیب کا استاد اور ابو سعید قرمطی کا رفیقِ کار تھا۔ لوگوں نے (روایتوں کے خلط ملط ہوجانے کے باعث) حسین بن منصور بیضاوی کو حسن منصور ملحد گمان کرایا ہے اور اُس کے الحاد اور شعبدہ گری کو ابنِ منصور رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب کردیا ہے۔ قیاس ہے کہ یہ حسن منصور ملحد قرامطہ کے ظہور کے زمانے میں تحریک کو پھیلانے میں سرگرم رہا۔ انتظامیہ اُسے گرفتار کرنے کے لیے تگ و دو کرتی رہی لیکن اُسے گرفتار نہ کرسکی، اُس کے بجائے ایک درویشِ دل ریش کو پابہ زنجیر کر کے وزیر سلطنت کے سپرد کیا جس نے کماحقہٗ تفتیش کے بغیر عدالت سے زبردستی اُن کے قتل کا فتویٰ حاصل کرلیا پھر نہایت بے دردی سے قتل کرانے کے بعد اُن کی نعش جلا کر راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی۔

اخبار الحلّاج

اِس بحث کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ تاریخ نگاروں نے (جن کے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے جاچکے ہیں) حسین بن منصور کو ساحری، شعبدہ

Marfat.com

بازی، بے دینی اور عقیدۂ حلول سے متہم کیا ہے۔ اِن الزامات کی تردید ''اخبار الحلاّج'' کے اُن مندرجات سے ہوجاتی ہے، جسے لوئی ماسی نون نے مرتب کر کے ۱۹۳۶ء میں پیرس سے شائع کیا۔ ''اخبار الحلاّج'' کے اہم ترین راوی ابراہیم بن فاتک ہیں۔ اُن کے مختصر حالات یہ ہیں:

''ابراہیم بن فاتک، ابوالفاتک کنّیت، بعض ابوالقاسم بتاتے ہیں۔ ابراہیم بن فاتک بن سعید بغدادی اور بعض احمد بن فاتک کہتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاّج کے شاگرد اور خادم تھے۔ جنیدؒ اور نوریؒ کی صحبت میں رہے۔ جنیدؒ اُن کی بہت تعظیم کرتے تھے''۔☆۱۶

یہاں ''اخبار الحلاّج'' سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

''ابراہیم ابن فاتک بیان کرتا ہے کہ جب حسین بن منصور کو مصلوب کرنے کے لیے لایا گیا اور جب اُس نے صلیب اور میخوں کو دیکھا تو اِس شدت کے ساتھ ہنسا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر اُس نے مجمعے کی طرف نگاہ ڈالی تو شبلیؒ کو دیکھ کر اُن سے کہا، اے ابوبکر کیا تمھارے پاس تمھارا سجادہ ہے؟ انھوں نے کہا 'بلیٰ یا شیخ'۔ یہ سن کر حلاّج نے کہا، 'بچھادو'۔ پھر حلاّج نے اُس پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھی: ولنبلونکم۔ الخ (۲: ۱۵۵، ۱۵۶) یعنی 'ہم ضرور کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمھارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو جنھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔' اِس کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت

Marfat.com

پڑھی: ''کل نفس ذائقۃ الموت۔'' الخ (۳: ۱۸۵) یعنی ہر ایک شخص موت کو چکھنے والا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمھارے پورے اجر دیے جائیں گے۔ پس جو آگ سے دور رکھا گیا اور جنّت میں داخل کیا گیا وہ ضرور اپنی مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو نری دھوکے کی پونجی ہے، جب حلّاج نماز سے فارغ ہوا تو اُس نے دعا مانگی جس کے حسبِ ذیل الفاظ مجھے یاد رہ گئے ہیں: 'اے اللہ! میں تیری منّت کرتا ہوں کہ تو مجھے اُس فضل و کرم کا شکر ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے جو تو نے میرے حالِ زار پر کیا ہے اور وہ کرم یہ ہے کہ تو نے مجھے اپنے تاب ناک چہرے کی وہ تجلّی دکھائی ہے جسے تو نے دوسروں پر ظاہر نہیں کیا''۔☆۱۷

''احمد بن ابی الفتح بن عاصم البیضاوی نے کہا: ''میں نے حلّاج کو اپنے شاگردوں کو یہ لکھواتے سنا کہ بے شک اللہ ذاتِ واحد ہے، قائم بنفسہ ہے، اپنے قِدم کی وجہ سے اپنے غیر سے متفرد ہے اور اپنی ربوبیت کی وجہ سے اپنے ماسوا سے متوحد ہے۔ کوئی شے اُس سے خارج (گھل مل کر ایک) نہیں ہوسکتی اور غیر اُس سے مخالط (شیر و شکر) نہیں ہوسکتا۔ مکان اُس کا احاطہ نہیں کرسکتا اور زمان اُس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ فکرِ انسانی اُس کا اندازہ نہیں کرسکتی اور تصورِ انسانی اُس کی صورت نہیں بنا سکتا اور نگاہ اُسے دیکھ نہیں سکتی اور خطرہ اُس کا خیال نہیں کرسکتا''۔☆۱۸۔

''ابو اسحٰق ابراہیم بن عبدالکریم حلوانی نے کہا کہ میں نے دس سال تک حلّاج کی خدمت کی اور لوگوں کے مقابلے میں اُس سے بہت زیادہ قریب رہا۔ ایک دن میں نے سوچا کہ بعض لوگ

Marfat.com

اُسے زندیق کہتے ہیں تو میں نے اپنے دل میں کہا لاؤ اِس کا امتحان تو کروں۔ پس میں نے ایک دن اُس سے کہا یا شیخ! میں چاہتا ہوں کہ میں باطنی مذہب کا کچھ علم حاصل کروں (میں نے مذہب الباطن کہا تھا) یہ سن کر اُس نے پوچھا، تم باطل کے باطن سے آگاہ ہونا چاہتے ہو یا حق کے باطن سے؟ پھر کہا، حق کا باطن یہ ہے کہ اُس کا ظاہر شریعت ہے اور جو شخص اتباعِ شریعت کرے گا اُس پر حق کا باطن خود بخود منکشف ہوجائے گا اور حق کا باطن المعرفۃ باللہ ہے۔ اب رہا باطن الباطل تو باطل کا باطن اُس کے ظاہر سے اقبح ہے اور اُس کا ظاہر اُس کے باطن سے اشنع ہے۔ پس تو اِس میں مشغول نہ ہونا اور میرا حال یہ ہے کہ میں نے کبھی فرض نماز نہیں پڑھی، جب تک وضو سے پہلے غسل نہ کیا ہو۔ اب میں ستّر سالہ ہوں اور میں نے پچاس سال میں دو سو سال کی نمازیں پڑھ لی ہے"۔☆۱۹

"احمد بن فاتک نے کہا کہ حلاج نے مجھ سے کہا: جس نے یہ گمان کیا کہ الوہیت بشریت کے ساتھ یا بشریت الوہیت کے ساتھ مخروج ہوسکتی ہے تو اُس نے کلمۂ کفر کہا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے خلق کی ذوات اور صفات سے متفرد ہے۔ کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور خلق کی ذوات میں مشابہت نہیں ہے۔ اور قدیم اور محدث میں مشابہت ہو بھی کیسے؟ اور جس نے یہ غلط خیال کیا کہ باری تعالیٰ کسی مکان میں ہے یا کسی مکان سے متصل ہے یا کسی مکان کے اوپر ہے یا کسی ضمیر (قلب) میں متصور ہوسکتا ہے یا اوہام میں متخیل ہوسکتا ہے یا کسی نعت یا صفت کے تحت داخل ہوسکتا ہے۔ تو وہ

Marfat.com

مشرک ہے''۔☆۲۰

اِن اقتباسات سے ایک ایسے صحیح العقیدہ مسلمان کی سیرت وصورت کا نقش ابھرتا ہے جو رضائے الٰہی کو دنیا کی ہر شے سے مقدم جانتا اور یقین کرتا ہے۔ یہ ایک ساحر، شعبدے باز، بے دین اور حلولی کے عقائد نہیں ہوسکتے جس کے قلب نے کبھی توحید تنزیہی کا ذائقہ چکھا ہی نہ ہو، لامحالہ مورخین کے لگائے الزامات کا مورد، حسن منصور بغدادی ہی قرار پاتا ہے۔ جو خود قرمطی تھا اور اِس تحریک کے سرگرم کارکنوں میں سے ایک تھا۔ بے چارے حسین بن منصور بیضاوی تو بیورو کریسی کی باہمی چشمک اور ہوسِ اقتدار کا نشانہ بنے۔

یہ سب کچھ چوں کہ ہونا تھا، ہو کر رہا لیکن تاریخ نے ایک سچ کو جسے زندہ جاوید رہنا تھا، اپنے اوراق میں محفوظ کرلیا اور وہ سچ حسین بن منصور بیضاوی کا اتمامِ حجت ہے جو اُنھوں نے عدالت کے ارکان اور وزیر حامد بن عباس پر واضح کیا:

ولما تبین الحلاج الصورۃ قال ظھری حمی ودمی حرام وما یحل لکم ان تتأولوا علے بما یبیحہ و اعتقادی الاسلام و مذھبی السنۃ و تفضیل ابی بکر و عمر و عثمان و علی و طلحۃ و الزبیر و سعد و سعید و عبدالرحمٰن بن عوف و ابی عبیدۃ بن الجراح و لی کتب فے السنۃ موجودۃ فی الوراقین فاللہ اللہ فی دمی۔☆۱۵

(جب حلاج نے یہ صورت دیکھی تو کہا، میری پشت (شرعاً) ممنوع و محفوظ ہے (یعنی مجھے سزائے تازیانہ بھی نہیں دی جاسکتی) اور میرا خون (بہانا) حرام ہے۔ تم کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ گھڑ گھڑا کر میرے جوازِ قتل کا فتویٰ دو، حالاں کہ میرا اعتقاد اسلام (کے موافق) ہے۔ میرا مذہب سنّت (کے مطابق) ہے اور میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و سعیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ (یعنی جملہ

Marfat.com

عشرہ مبشرہ) کی تفضیل کا قائل ہوں اور سنّت (کے بیان) میں
میری کتابیں، کتب فروشوں کے پاس موجود ہیں۔ پس میرے
خون کے معاملے میں اللہ سے ڈرو... اللہ سے ڈرو۔)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(اُنھوں نے خاک و خون میں لت پت ہونے کی اچھی رسم نکالی
ہے، خدائے تعالیٰ اُن پاک نہاد عاشقوں پر رحمت فرمائے۔)

حواشی

۱۔ سیرت منصور حلاّج، ص ۲۰۰۔
۲۔ ملاحظہ فرمائیں، تذکرۃ الاولیا (فارسی) صص ۱۱۴ تا ۱۲۳ اور نفحات الانس (فارسی) صص ۱۵۰۔ ۱۵۱۔
۳۔ طواسین مصنفہ حسین بن منصور حلاّج، اردو ترجمہ از پروفیسر عتیق الرحمٰن عثمانی۔ لاہور ۱۹۹۸ء، صص ۱۸ تا ۲۰۔
۴۔ حسین بن منصور حلاّج، اقتباس از کشف المحجوب، ترجمہ ذوالفقار احمد تابش۔ ص ۳۰۔
۵۔ سیرت منصور حلاّج، ص ۲۷۵۔ ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم، ص ۱۹۹۔
۶۔ تاریخ طبری، حصہ دہم۔ ترجمہ علاّمہ عبداللہ العمادی، کراچی۔ ص ۳۴۳۔
۷۔ سیرت منصور حلاّج۔ صص ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ اردو ترجمہ صص ۱۱۷۔ ۱۱۸ از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔
۸۔ سیرت منصور حلاّج۔ صص ۲۵۹۔ ۲۶۰، اردو ترجمہ صص ۹۶ از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔
۹۔ سیرت منصور حلاّج۔ صص ۲۴۸۔ ۲۴۹، اردو ترجمہ صص ۹۶ از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ چوں کہ عریب اور خطیب کی روایتوں کی عبارتیں یکساں ہیں، اِس لیے مولانا عثمانی مرحوم نے دونوں روایتوں کا ایک ترجمہ کیا ہے۔
۱۰۔ ملاحظہ فرمائیں، سیرت منصور حلاّج، صص ۱۸۵ تا ۱۸۹۔
۱۱۔ تاریخ فقہ اِسلامی۔ ص ۳۵۷۔
۱۲۔ ملاحظہ فرمائیں، تاریخ تصوف در اسلام (فارسی) جلد دوم، قسمت اول، مصنفہ ڈاکٹر قاسم غنی۔ تہران، چاپ دوم ۱۳۴۰ ش، ص ۴۷۶ بحوالہ "تلبیسِ ابلیس" از ابن الجوزی، چاپ مصر، ص ۱۷۴۔
۱۳۔ تاریخ تصوف در اسلام۔ ص ۵۳۲ بحوالہ، الفہرست، مصنفہ ابن ندیم، چاپ مصر صص ۲۶۱۔ ۲۶۳۔
۱۴۔ ملاحظہ فرمائیں، سیرت منصور حلاّج، ص ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۷، ۹۰ اور ۹۴، ۹۵۔
۱۵۔ سیرت منصور حلاّج ص ۲۶۰۔ اردو ترجمہ ص ۹۷ از مولانا ظفر احمد عثمانی۔
۱۶۔ رسالۂ قشیریہ (اردو ترجمہ) حاشیہ ۴۹ ص ۱۷۴۔
۱۷۔ تاریخِ تصوف، مصنفہ یوسف سلیم چشتی۔ محکمۂ اوقاف لاہور ۱۹۷۶ء، طبع اول، ص ۲۷۵۔۲۷۶، ترجمہ یوسف سلیم چشتی۔
۱۸۔ ایضاً صص ۲۷۸۔ ۲۷۹۔
۱۹۔ ایضاً ص ۲۷۹۔
۲۰۔ ایضاً ص ۲۸۱۔

Marfat.com

بابِ چہارم

ابنِ منصور کے قتل پر جلیل القدر صوفیہ کے تاثرات

حسین بن منصور کا قتل جو سراسر عدالت کی ناانصافی اور وزیر حامد بن عباس کی ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، تاریخِ تصوف کا اہم ترین واقعہ بن گیا۔ اگرچہ خلافتِ عباسیہ میں ابنِ منصور کے مصلوب کیے جانے کے بعد مزید دو بزرگوں کے بے سبب قتل کیے جانے کے واقعات ظہور میں آئے لیکن اُنھیں وہ اہمیت حاصل نہیں جو حسین بن منصور کے واقعۂ دارورسن کو حاصل ہوئی۔

ایک واقعہ خواجہ علی ممشاد دینوریؒ کا ہے جنھیں خلافتِ عباسیہ کے ایک سردار مرداویج کے ماتحت سپہ سالار ابنِ علان قزوینی کے حکم سے ۳۱۹ھ میں قتل کیا گیا۔ خواجہ علی ممشاد دینوریؒ خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ (م ۳۲۹ھ) بانیٔ سلسلۂ چشتیہ کے شیخ و مرشد تھے۔

مسعودی نے اس واقعے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ابنِ علان قزوینی نے سردار مرداویج کے حکم سے دینور پر حملہ کیا اور رعایا کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہ ظلم دیکھ کر خواجہ ممشادؒ اپنے ہاتھ میں قرآن شریف لے کر شہر سے نکلے اور ابنِ علان سے کہا کہ اے سردار اللہ سے ڈرو اور اپنی تلوار مسلمانوں سے ہٹالو، اِن کا نہ کوئی گناہ ہے اور نہ قصور ہے۔ اِس اپیل پر ابنِ علان چراغ پا ہوگیا اور اُن کے ہاتھ سے قرآن شریف چھین کر اُن کے منہ پر دے مارا اور پھر اُن کے قتل کا حکم دیا جس کی اسی وقت

Marfat.com

تعمیل کی گئی۔☆۱

دوسرا واقعہ عین القضاۃ ہمدانی" کا ہے۔ جنھیں ۵۲۵ھ میں وزیر قوام الدین ناصر بن علی بن ابوالقاسم درگزینی کے حکم سے ابنِ منصور کی طرح قتل کیا گیا پھر اُن کی لاش کو جلا کر راکھ دریائے دجلہ میں بہادی۔☆۲

بہرحال گروہِ صوفیہ میں سے کسی بزرگ کے خونِ ناحق کو وہ شہرت وعظمت حاصل نہ ہوئی جو حسین بن منصور کے واقعۂ دار و رسن کو حاصل ہوئی۔ اُس بے پناہ توجہ کا سبب کسی قدر تو وہ تاریخی عوامل ہیں جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ ابواب میں آچکا ہے اور زیادہ تر اُن احوال کی تشریح ہیں جو سالکان راہِ طریقت کو سیرِ سلوک میں درپیش ہوتے ہیں، اِسی بنا پر ہر عہد کے صوفیہ نے اپنے اپنے باطنی تجربات و مشاہدات کے مطابق اِن احوال کی توجیہہ کی ہے اور ابنِ منصور کے واقعۂ قتل پر اپنے تاثرات بیان کیے ہیں جو صوفیہ کے تذکروں میں محفوظ اور موجود ہیں۔

داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ حسین بن منصور بیضاوی کے معاصرین میں، ابنِ عطا ابوالقاسم نصر آبادی (م ۳۶۹ھ) اور محمد بن خفیف (م ۳۹۱ھ) اُن کے مداح تھے۔ عمرو بن عثمان مکی (م ۲۹۶ھ) ابو یعقوب نہر جوری (م ۳۳۰ھ) ابو ایوب اقطع اور علی بن سہل اصفہانی (م ۲۸۰ھ) اُنھیں رد کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۹ھ) ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ)، جریری اور حصری نے اُن کے بارے میں توقف (خاموشی کو) اختیار کیا۔☆۳

ابوبکر شبلیؒ

متوقفین میں سے حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک کشف "سیر الاولیا" اور "روح الارواح" کے حوالے سے باب دوم میں نقل کیا گیا ہے۔ یہاں زیرِ نظر موضوع کے تعلق سے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:

> "روح الارواح میں (مصنف) تحریر کرتے ہیں کہ جب حلاج کو قتل کیا گیا تو شبلیؒ نے بیان کیا کہ میں نے اُس رات حق

Marfat.com

تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کی اور صبح تک اپنا سر سجدے میں رکھا اور عرض کیا، الٰہی! وہ تیرے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ وہ مومن، موحد اور اولیا اللہ کا معتقد تھا۔ اُسے تو نے کس بلا میں ڈال دیا۔ مجھے نیند آگئی۔ میں نے غیب سے آواز سنی: وہ ہمارے بندوں میں ایک بندہ ہے۔ ہم نے اپنے اسرار میں سے اُسے ایک راز سے آگاہ کیا تھا لیکن اُس نے اسے فاش کردیا، پس ہم نے اُس پر (وہ بلا) نازل کردی جو تم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھی"۔☆۴

یہ حق تعالیٰ کے ایک منظورِ نظر ولی کا کشف ہے، جس میں بارگاہِ الٰہی کے مقبولین کو ایک خاص اسلوب سے عبرت دلائی گئی ہے۔ اِسے بادشاہانِ ظاہر پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ بادشاہ سلامت کسی سردار سے خفا ہوگئے تو اُسے کولھو میں پلوادیا۔ حق تعالیٰ مقبولین پر قہر وغضب نازل نہیں فرماتے بلکہ آزمائش میں ڈالتے ہیں اور یہ آزمائش بھی اُن کی ترقیِ درجات کے لیے ہوتی ہے، جس کی بشارت سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۵ اور ۱۵۶ میں دی گئی ہے:

ہم ضرور کسی قدر ڈر، بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمھارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو جنھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، ہم اللہ کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حسین بن منصور اِسی نوعیت کی آزمائش میں ڈالے گئے اور وہ اِس سے سرخ رُو ہوکر نکلے:

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کو ہرگز نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ اے

Marfat.com

محبوب! دوستوں کے سر سدا سلامت رہیں تاکہ تو خنجر آزمائی کرے۔)

داتا گنج بخش علی ہجویریؒ

داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کو ابنِ منصورؒ سے یک گونہ قلبی تعلق تھا، جس کا اظہار اُنھوں نے ''کشف المحجوب'' میں ابنِ منصورؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن کے کلام کی شرح میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں میں نے ان کے کلام کی رفعت اور اُن کے احوال کی درستی دلائل سے ثابت کی ہے۔ اِس کے علاوہ میں نے اپنی ایک دوسری تصنیف ''منہاج'' میں اُن کی زندگی کے حالات شروع سے آخر تک بیان کیے ہیں اور اب قدرے قلیل حالات یہاں قلم بند کر رہا ہوں۔☆۵

حسین بن منصور سے متعلق داتا صاحبؒ کے مزید تاثرات یہ ہیں:

''حسین رضی اللہ عنہ تا بود، اندر لباسِ صلاح بود از نمازہاے نیکو و ذکر و مناجات ہاے بسیار، و روز ہاے پیوستہ وتحمید ہاے مہذب و اندر توحید نکتہ ہاے لطیف۔ اگر افعالِ او سحر بودے ایں جملہ از وے محال بودے۔ پس درست شد کہ کرامت بود و کرامت جز ولی محقق را نبود۔ وبعضے از اہلِ اصول وے را رد کنند اندر کلمات وے بمعنی امتزاج و اتحاد و آں تشنیع اندر عبارت ست نہ اندر معنی کہ مغلوب را امکان عبارت نباشد تا اندر غلبۂ حال عبارتش صحیح آید''۔☆٦

(حسین رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے لباسِ تقویٰ میں رہے۔ وہ کثرت سے اچھی نمازیں ادا کرتے تھے اور ذکر و مناجات میں مشغول رہتے تھے۔ پیوستہ روزے رکھتے تھے۔ حق

تعالیٰ کی بہت ہی شائستہ حمد و ثنا کرتے اور توحید میں لطیف نکتے بیان کرتے تھے۔ اگر اُن کے افعال سحر یا جادو ہوتے تو اُن سے یہ تمام نیک اعمال ادا نہ ہوتے پس ثابت ہوا کہ یہ (اُن کی) کرامت تھی اور کرامت سوائے حق تعالیٰ کے دوست کے کسی اور سے صادر نہیں ہوتی۔ بعض اہلِ اصول اُن کے کلام میں امتزاج و اتّحاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ تشنیع عبارت پر وارد ہوتی ہے معانی پر نہیں ہوتی (کیوں کہ) مغلوب الحال غلبۂ حال میں صحیح عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔)

داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے اِن تاثرات سے ایک ایسے عاشقِ الٰہی کا نقش ابھرتا ہے جس کا ظاہر آدابِ شریعت سے آراستہ، اخلاق و کردار کرامت سے پیراستہ اور قلب اپنے محبوب کی تجلّیاتِ حسن سے از خود رفتہ ہے۔ جس مقام کی بات کرتا ہے تو اُس کے اظہار کے لیے لفظ و عبارت ساتھ نہیں دیتے۔ اربابِ اصول معنی سے نا آشنا ہونے کے سبب اُس کے کلام کو رد کرتے ہیں۔ اہلِ معنی اُسے ادائے مطلب کے باب میں معذور خیال کرتے ہیں اور اُس کے استغراق کی نفی نہیں کرتے اور اُس ہوش رفتہ عاشق کے کلمات کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی لوگوں کو خبردار کرتے ہیں کہ یہ شخص اپنے احوال میں تو صادق ہے لیکن لائقِ اقتدا نہیں ہے۔

حسین بن منصور سے متعلق داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مذکورہ تاثرات اعتدال پر مبنی ہیں اور اپنی اصل میں ایجابی نوعیت کے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ (م ۵۶۱ھ) سلسلۂ قادریہ کے بانی اور صاحبِ کراماتِ کثیرہ تھے۔ امام عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) نے طبقات الکبریٰ میں شیخ قدس سرہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

"یقول عسر الحسین الحلاج فلم یکن فی زمنہ من یاخذ بیدہ

Marfat.com

وانالکل من عثر مرکو بہ من اصحابی و مریدی و محبی الی یوم القیامۃ اخذ بیدہ۔"☆۷

(آپ فرماتے تھے کہ حسین (بن منصور) حلاج کو (طریق میں) ایک دشواری پیش آگئی تھی تو اُن کے زمانے میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کا ہاتھ پکڑ لیتا (اور سلامتی کے ساتھ اِس دشواری سے نکال دیتا) اور میں اپنے اصحاب و مریدین اور محبّین میں سے ہر اُس شخص کا ہاتھ پکڑنے والا ہوں جس کی سواری کو ٹھوکر لگ جائے۔)

یہ ارشادِ گرامی بھی ایک ولیِ کامل کا کشف ہے۔ حسین بن منصور طریق میں جس مشکل سے دوچار ہوئے شیخ قدس سرہٗ اِس سے بواسطہ کشف آگاہ ہوئے اور کسی کو اُس پر مطلع نہیں فرمایا۔ شاید اِس لیے کہ شیخ قدس سرہٗ کے نزدیک اِس مسئلے کا اخفا ہی بہتر تھا۔ بہرحال مسئلے کی نوعیت جو بھی ہو شیخ قدس سرہٗ کے ارشاد میں حسین بن منصور سے ہمدردی اور انس کا تعلق قطعی طور پر واضح ہے۔ یہاں کسی نوعیت کا انکار اور رد نہیں ہے بلکہ حسین بن منصور کے مقام اور اُس کی مشکلات کو کھلے دل سے محسوس کیا گیا ہے اور چارہ سازی کی آرزو ظاہر کی گئی ہے۔ بے درد اہلِ ظاہر اِس باطنی قلق سے ناآشنائے محض ہیں۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ، کے دانی کہ چیست؟
حالِ شیرانے کہ شمشیرِ بلا بر سر خورند

اے مخاطب! تیرے پیر میں کبھی کانٹا تک نہ چبھا، تُو اُن شیروں کا حال کیا جانے جو سر پر تیغِ بلا (کا زخم) کھاتے ہیں۔

ابنِ عربیؒ

شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ (م ۶۳۸ھ) توحید کے اہم نکتے

"وحدت الوجود" کے شارح اور بانی ہیں۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے "فتوحاتِ مکیہ" میں حسین بن منصور سے متعلق اپنے تاثرات اِن الفاظ میں قلم بند کیے ہیں:

کما ان الآیات و الکرامات واجب علی الرسول اظہارھا من اجل دعواہ کذلک یجب علی الولی التابع سترھا۔ ھکذا مذھب الجماعتہ لانہ غیر مدع ولاینبغی لہ الدعوی فانہ لیس بمشرع و میزان الشرع موضوع فی العالم قد قام بہ علما الرسوم اھل الفتویٰ فی دین اللہ فھم ارباب التجریح والتعدیل و ھذا الولی مھما خرج عن میزان الشرع الموضوع مع وجود عقل التکلیف عندہ سلم لہ حالہ لا حتمال الذی فی نفس الامرفی حقہ وھو ایضاً موجود فی المیزان المشروع فان ظھر امر یوجب حدافی ظاھر الشرع ثابتا عندالحاکم اقیمت علیہ الحدودو لابدولا یعصمہ ذلک الاحتمال الذی فے نفس الامرمن ان یکون من العبید الذین لا تضرھم الذنوب عنداللہ اوا بیح لھم فعل ما حرم علی غیرھم شرعا فاسقط اللہ عنھم المواخذۃ لکن فی الدار الاخرۃ فانہ قال فی اھل بدرما قد ثبت من اباحتہ الافعال و کذلک فی الخبر الواردافعل ماشئت فقد غفرت لک ولم یقل اسقطت عنک الحدود فی الدنیا۔ واما فی الدینا فلا۔ فالذی یقیم علیہ الحدود من حکام الرسوم ماجور وھو فی نفسہ غیر ماثوم کالحلاج ومن جری مجراہ۔☆۸

جس طرح رسول کے ذمّے معجزات و کرامات کا اظہار واجب ہے کیوں کہ وہ (رسالت و نبوت کا) مدعی ہے، اِسی طرح ولی کے ذمّے کرامات کا اخفا واجب ہے کیوں کہ وہ مدعی نہیں اور اُس کو دعویٰ کرنا جائز بھی نہیں کیوں کہ وہ صاحب تشریع نہیں ہے اور شریعت کی میزان عالم میں رکھی ہوئی ہے، جس کے نگہبان علمائے ظاہر ہیں جو اللہ کے دین میں فتوے دینے والے ہیں۔ یہی جرح و

Marfat.com

تعدیل کے مالک ہیں اور یہ ولی (صاحبِ کرامات) اگر کسی وقت شریعت کی مقررہ میزان سے باہر قدم نکالے تو اگر وہ عاقل و مکلّف ہے، مغلوب العقل نہیں ہے تو اُس کے حال کو تسلیم کیا جائے گا کیوں کہ اُس کے متعلق نفس الامر میں احتمال ہے (کہ اعذار قویہ سے اُس کے حق میں شریعت کی مخالفت مضر نہ ہو) اور وہ احتمال بھی (بے اصل نہیں بلکہ) میزانِ شرعی میں موجود ہے لیکن اگر اُس سے کسی ایسے امر کا صدور ہو جس پر ظاہر شرع میں حد واجب ہوتی ہے اور حاکم کے نزدیک ثبوت بھی ہوگیا تو اُس پر حدود قائم کی جائیں گی، اِس کے سوا چارہ نہیں اور وہ احتمال اس کو حدود سے نہ بچائے گا کیوں کہ (حدیث میں) اہلِ بدر کے بارے میں اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم فرمایا ہے کہ (تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا) یہ نہیں فرمایا کہ تم سے دنیا میں حدود بھی ساقط کردیں۔ دنیا میں مواخذے کی نفی نہیں کی گئی تو اگر فرض کرلیا جائے کہ کوئی اہلِ بدر کی طرح مغفور ہوگیا ہے سو ممکن ہے آخرت میں اُس سے خلافِ شریعت کام کرنے کا مواخذہ نہ ہو مگر دنیا میں ضرور مواخذہ کیا جائے گا جب تک وہ حد تکلیف کے اندر ہے۔ پس حکامِ ظاہر میں سے جو حاکم اُس ولی پر حد جاری کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور یہ ولی اپنی ذات سے گنہ گار نہ ہوگا جیسے حلاّج اور اُن جیسے دوسرے اولیا۔)

شیخ اکبر قدس سرہٗ کا یہ تبصرہ یا تاثر قطعی طور پر بے لاگ اور غیر جانب دار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ قدس سرہٗ کے عصر میں بعض ایسی روایتیں گشت کررہی ہوں گی کہ حسین بن منصور نے فلاں خلافِ شریعت کرامت ظاہر کی یا فلاں خلاف شریعت امر اُن سے صادر ہوا۔ اِس اطلاع کی بنا پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ رائے

ظاہر فرمائی کہ میزانِ شرع عالم میں قائم ہے اور تقدّم اِسی میزان کو حاصل ہے، ایسی صورت میں اگر حاکمِ شرع نے کسی امر کو مصلحتِ عامہ کے لیے مضر خیال کرتے ہوئے حسین بن منصور پر حد جاری کی تو اُس کا حکم شریعت کے عین مطابق تھا اور وہ مستحقِ ثواب ہے، دوسری جانب حسین بن منصور اپنی ذات سے گنہ گار نہ ہوئے کہ اظہار کرامت یا صدورِ امر میں مغلوب الحال تھے۔

اِس تبصرے یا تاثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے دل میں حسین بن منصور کے لیے اُنس و محبّت تھی اور آپ اُنھیں کسی خلافِ شریعت کرامت کے اظہار یا کسی امر کے ارتکاب میں معذور خیال کرتے تھے اور اُنھیں بارگاہِ الٰہی کے مقبولین میں شمار کرتے تھے۔

سیّد محمد حسینی بندہ نوازؒ

حضرت سیّد محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ (م۸۲۵ھ) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے جلیل القدر بزرگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلیؒ (م۷۵۷ھ) کے خلیفہ و جانشیں تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے دکن میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ سرسبز و شاداب ہوا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا:

> ”اس کے بعد لوگوں نے انا الحق کے معنی پوچھے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا، اِس جملے کے معنی لوگوں نے غلط سمجھے ہیں۔ اِس کو لوگ خلافِ شرع کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ منصورؒ از خود رفتہ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھے اور خود اللہ نے اُن کے مظہر میں ’انا الحق‘ پکارا۔ جس طرح درخت کے مظہر میں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کہا تھا ”انی انا اللہ لا الہ الاّ انا“ اِسی طرح حسین منصور کے مظہر میں اُس نے انا الحق کی آواز نکالی۔ لوگوں نے اِس کو سن کر خلافِ شرع سمجھا اور جمع ہو کر اُن کو قتل کر دیا، حالاں کہ اُن کا کوئی

جرم اور قصور نہ تھا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلماتِ قدسی کو بیان فرمایا ہے ،میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مظہرِ نبی میں کلماتِ قدسی کو بیان فرمایا ہے، اِسی طرح بعض وقت غلبۂ وقت میں مشائخ سے بھی اِسی طرح کے کلمات زبان سے نکل گئے ہیں"۔☆۹

سیّد بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کا تاثر شیخ محمود شبستریؒ (م ۷۲۰ھ) کی مثنوی "گلشنِ راز" کے اس شعر کا اعادہ ہے:

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے☆۱۰

[جب درخت انا اللہ کہے تو روا ہوجاتا ہے لیکن ایک نیک بخت (انا الحق) کہے تو کیوں روا نہیں ہوتا۔]

یہ نقطۂ نظر تقریباً تمام متاخرین صوفیہ کا ہے جو حسین بن منصور کی سزائے قتل کا سبب قولِ انا الحق خیال کرتے ہیں اور کوہِ طور کے درخت کی مثال دے کر اُن کا دفاع کرتے ہیں لیکن گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ نے شجرِ طور اور حسین بن منصور کو مَظہَر (ظاہر ہونے کی جگہ) قرار دے کر الحاد کی راہ بند کردی ہے، اِس لیے کہ اِن دونوں میں مُظہِر (ظاہر کرنے والا) کوئی اور تھا۔ اِس اعتبار سے گیسو درازؒ کا تاثر حضراتِ صوفیہ کے روحانی تجربات اور باطنی مشاہدات سے قطعی طور پر ہم آہنگ ہے۔ یہ اُن حضرات کے لیے ایک متوازن تعبیر ہے جو حسین بن منصور کے قولِ انا الحق پر اصرار کرتے ہیں۔

زیرِ نظر باب کے اجمالی تجزیے سے ہم اِس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ حضرت شبلیؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تاثرات اُن کے ذاتی کشف پر مبنی ہیں۔ اوّل الذکر بزرگ کو غیب سے یہ اطلاع دی گئی کہ حسین بن منصور ایک راز کے ظاہر کرنے کے باعث بلا میں ڈال دیے گئے۔ موخر الذکر بزرگ پر منکشف ہوا کہ حسین بن منصور ایک مشکل میں پھنس گئے تھے۔ اگر اِس دور میں اُن کا کوئی دست گیر ہوتا تو اُنھیں اِس مشکل سے

Marfat.com

نکال لیتا۔ کاش وہ میرے زمانے میں ہوتے تو میں اُن کی دست گیری کرتا۔ اِن مکشوفات سے اگرچہ حقیقی صورتِ حال عیاں نہیں ہوتی لیکن اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ حسین بن منصور جس المیے سے دوچار ہوئے اُس کے وقوع میں وہ بے اختیار تھے۔ غلبۂ حال انکشافِ راز کا موجب بن گیا اور عقدۂ مشاہدات کھولنے والا کوئی کامل میسر نہ ہوا کہ بلائے مبرم سے رہائی ملتی۔ دونوں صورتوں میں وہ بے بس تھے، اِس لیے شیخ شبلی اور شیخ جیلانی قدس سرہم نے نہ اُنھیں ردّ کیا اور نہ اُن کا انکار کیا۔

حضرت شیخ اکبر اور خواجہ بندہ نواز قدس سرہم کے تاثرات قریب قریب یکساں ہیں اور اُن اطلاعات پر مبنی ہیں جو زبانی یا تحریری روایات نے اُن تک پہنچائیں۔ دونوں بزرگوں کے تاثرات توازن اور احتیاط سے مربوط ہیں۔ شیخ اکبرؒ کے نزدیک کسی ولی کی ایسی کرامت یا قول یا فعل جسے حاکمِ شرع خلافِ شرع خیال کرے تو اُس پر حد جاری کرنا ناگزیر ہے۔ خواجہ بندہ نوازؒ کے نزدیک حسین بن منصور کا قول انا الحق خلافِ شرع نہ تھا کیوں کہ جس طرح درخت کے مظہر میں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے انا اللہ کہا تھا اُسی طرح حسین بن منصور کے مظہر میں انا الحق فرمایا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ کا حسین بن منصور کی تحسین کا مسئلہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے۔ داتا صاحب نے حسین بن منصور سے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اُن کی اصل ذاتی مطالعے اور تحقیق پر مبنی ہے۔ اُنھوں نے ابنِ منصور کے تصنیف کردہ پچاس رسالوں کا مطالعہ کیا، اُن کے کلام کی شرح تحریر کی اور اُن کے سوانحی حالات قلم بند کیے۔ امتدادِ زمانہ اور مشیتِ الٰہی نے ان مآخذ کو ناپید کر دیا ورنہ عہدِ حاضر میں حسین بن منصور کی زندگی کا ہر پہلو بے غبار ہوتا۔

بہرنوع حسین منصور کے واقعۂ قتل کے بعد تمام بزرگوں نے اُنھیں بے قصور اور مقبولِ بارگاہ الٰہی تسلیم کیا اور جیسا کہ اِس تالیف کے باب سوم کی تفصیلات سے واضح ہے، اُن کے خلاف سارا مقدمہ مشکوک اور بے جان ہے۔

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

Marfat.com

حواشی

۱۔ مروّج الذہب، مصنفہ ابو الحسن علی ابنِ الحسین المسعودی (م ۳۴۶ھ) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۵ء، جلد چہارم صص ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ نیز دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۹، ص ۵۷۵۔ زیرِ عنوان ''دینور''۔

۲۔ ''رسالہ یزداں شناخت'' مصنفہ عین القضاۃ ہمدانی، مرتبہ ڈاکٹر بہمن کریمی طہران ۱۳۲۷ ش۔ دیباچہ از مرتب ص ی نیز، غایت الامکان فی درایت المکان، از عین القضاۃ ہمدانی، اردو ترجمہ از لطیف اللہ۔ کراچی ۱۹۸۳ء، مقدمہ از مصنف ص ۵۶۔

۳۔ کشف المحجوب (فارسی) صص ۱۵۷۔ ۱۵۸۔

۴۔ سیر الاولیا (فارسی) باب ہشتم ص ۴۸۶۔ ترجمہ از راقم السطور۔

۵۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۶۰۔ اب دونوں تصانیف یعنی شرحِ کلام ابنِ منصور اور منہاج ناپید ہیں۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۹ ترجمہ از راقم السطور۔

۷۔ سیرتِ منصور حلاج، ص ۸۱۔ ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا مرحوم نے طبقاتِ کبریٰ، جلد۱، ص ۱۰۸ کا حوالہ دیا ہے۔

۸۔ ایضاً صص ۲۱۶۔ ۲۱۷، ترجمہ ص ۲۱۴۔۲۱۵۔ مولانا مرحوم نے فتوحاتِ مکیہ، باب ۱۸۵، جلد ۲، ص ۴۸۹ کا حوالہ دیا ہے۔

۹۔ جوامع الکلم۔ ملفوظات سیّد محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ، ترجمہ پروفیسر معین الدین دردائی کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۵۲۱۔

۱۰۔ سورۃ قصص کی آیت ۳۰ کی جانب اشارہ ہے:

> سو وہ جب آگ کے پاس پہنچے تو اُن کو اِس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰؑ کی داہنی جانب تھا) اِس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰؑ میں اللہ رب العالمین ہوں۔

Marfat.com

باب پنجم

حاصلِ مطالعہ حقائق

خلافتِ عباسیہ کے دسویں خلیفہ المتوکل علی اللہ (م۲۴۶ھ) کے عہدِ خلافت میں، بیضائے فارس کے ایک باشندے منصور بن محمی کے ہاں ۲۴۴ھ میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ باپ نے اُس کی کنیّت ابو المغیث اور نام حسین رکھا۔ یہی لڑکا بعد کی تاریخ اور تذکروں میں حسین بن منصور حلّاج بیضاوی کے نام سے یاد کیا گیا۔ حلّاج کا لاحقہ اُس کے باپ کے پیشے کی مناسبت سے ملحق ہوا جس کا ذریعۂ معاش اون دھنکنا تھا۔

منصور بن محمی کے یہ فرزند اسلامی تاریخ اور تصوف کی عظیم ہستیوں میں شمار ہوئے۔ عربی، فارسی اور اردو ادب و شاعری میں اُن کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اُسے بجا طور پر ''منصوریات'' کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔☆۱

عالمِ ناسوت میں حسین بن منصور کی ولادت ایسے دور میں واقع ہوئی جب خلفائے بنوعباس کی وسیع وعریض سلطنت افراتفری اور انتشار کی زد میں تھی۔ اگرچہ تیسری صدی ہجری خلافتِ بنوعباس کا ''عہدِ زرّیں'' کہلاتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابو العبّاس سفّاح سے واثق باللہ تک نظامِ سلطنت کسی نہ کسی نوع سے خرابی میں گھرا رہا حتّٰی کہ متوکل کا دور عباسیوں کے زوال و انحطاط کی علامت بن گیا۔ عباسیوں کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور سے متوکل کے عہدِ خلافت تک کثرت سے باطل اور

Marfat.com

اعتقادی فرقے ظہور میں آچکے تھے۔ متوکل کے قتل کے بعد علویوں کے خروج، زنگیوں کی بغاوت اور قرامطہ کے فتنوں نے خلافت کے استحکام کو ہلا کر رکھ دیا اور عام رعایا کے احساسِ امن و تحفظ کو لے ڈوبا۔ الحاد و زندقہ کو پیر جمانے کے مواقع حاصل ہوئے۔

اِس خلفشار و انتشار کے دور میں حسین بن منصور کے والد تستر منتقل ہوگئے۔ اُن کی پرورش تستر ہی میں ہوئی۔ اُن کی تعلیم سے متعلق قدیم ماخذوں سے کسی طرح کی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ بہرحال جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو سلسلۂ تصوف سے منسلک ہوگئے۔ سنّتِ نبویؐ کی ادائی میں نکاح کیا جس سے تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے پوری زندگی میں وقفے وقفے سے تین حج ادا کیے اور کبھی ایک سال کبھی ایک سال سے زائد مکہ مکرمہ کے مجاور رہے۔ اُنھوں نے تمام زندگی لباسِ صلاح میں بسر کی۔ وہ بہت زیادہ ذکر کرنے، نمازیں پڑھنے اور پیوستہ روزے رکھنے والے صوفی تھے۔

اِن حسین بن منصور حلاّج کو تاریخ نے جس روپ میں دیکھا اور دکھایا ہے، اُس کی صورت یہ ہے کہ اُنھیں علویوں کی تحریک رضا آل محمد کا سرگرم کارکن بتایا گیا ہے (☆۱۔الف) جنھوں نے ۲۵۰ھ میں خروج کر کے طبرستان میں اپنی حکومت قائم کی۔☆۲۔ اِس اعتبار سے جب تحریک رضا آل محمد سرگرمی سے جاری تھی تو اُس وقت ابنِ منصور کی عمر چھ برس تھی، وہ اِس کے سرگرم کارکن کیسے ہوسکتے تھے اور کس طرح اِس دعوت کے مبلّغ بن سکتے تھے۔ صولی کی یہ روایت کذب و افترا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی نیز میزانِ درایت میں اِس کا کوئی وزن ہی نہیں ہے۔

۲۷۸ھ میں جب قرامطہ، عبّاسی حکومت کے خلاف زور شور سے اٹھے تو ایک شخص حسن بن منصور ملحد بغدادی جو محمد بن زکریا رازی کا استاد اور ابوسعید جنّابی قرمطی کا دوست تھا،☆۳ اِس تحریک کا سرگرم کارکن بن گیا۔ ہمارے مؤرخین نے بغیر تحقیق کیے اِس حسن منصور ملحد بغدادی کے حالات و کوائف ہم نامی کے باعث حسین بن منصور بیضاوی سے منسوب کر دیے اور اوّل الذکر کے ملحدانہ خیالات بھی موخرالذکر کے سر

تھوپ دیے۔

اِس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

ہمارے پاس مؤرخین کی روایات کو غلط در غلط ثابت کرنے کے لیے حسین بن منصور بیضاوی کی ''کتاب الطواسین'' شیخ ابوالقاسم قشیریؒ کا ''رسالہ قشیریہ'' اور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' موجود ہیں جن کے مندرجات سے ثابت ہوتا ہے کہ حسین بن منصور بیضاوی ایک سچے پکے مسلمان تھے اور جن ملحدانہ عقائد سے اُنھیں متہم کیا گیا، اُن سے وہ بری تھے۔

''کتاب الطواسین'' کا پہلا باب ''طاسین السراج'' شروع سے آخر تک حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نعت شریف ہے، اور یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ عربی، فارسی اور اردو نثر میں ایسی پاکیزہ اور جذبے سے معمور نعت سوائے حسین بن منصور بیضاوی کے شاید کسی نے نہیں لکھی۔☆۴

''رسالۂ قشیریہ'' میں ابوالقاسم قشیری نے توحید کی تعریف میں بہت سے بزرگوں کے اقوال نقل کرتے وقت سب سے پہلے ابنِ منصور کی تعریفِ توحید کو جگہ دی۔ یہ تعریف ہر اعتبار سے مستند اور مکمل ہے۔☆۵

''کشف المحجوب'' میں داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابنِ منصور کی پاکیزہ زندگی کی شہادت دی ہے۔☆۶

غور کا مقام یہ ہے کہ جو امّتی عشقِ رسول سے معمور ایسی عدیم النظیر نعت کہے، ایک کامل موحد بندے کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی توحید بیان کرے اور جس کے حالاتِ زندگی صاف و شفاف چشمے کی مانند ہوں، اُس کے عقیدے اور عمل میں تلبیس و الحاد کس جہت سے در آئیں گے۔ اِس افترا سے معلوم ہوا کہ مورخین کے رواۃ غیر ثقہ اور نا معتبر تھے اور خود مورخین بھی تحقیق کرنے کی خوبی سے عاری تھے۔

مستشرقین نے اسلامی علوم کے قدیم ماخذوں کی تلاش و دریافت میں جو مساعی کی ہیں وہ قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں لیکن وہ جب اُن علوم کے بارے میں

Marfat.com

کچھ لکھتے یا تحقیق کرتے ہیں تو اُن کا رویّہ یک سر تبدیل ہوجاتا ہے اور اُن کے قلم کا سارا زور مغرب کے علوم کی برتری اور تقدم ثابت کرنے میں صرف ہوجاتا ہے۔ تصوف اور صوفیہ کی جانب آتے ہیں تو مماثلت اور مشابہت کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ مثلاً رینالڈ نکلسن The Idea of Personality in Sufism کے دوسرے خطبے میں کہتے ہیں:

> ''حلاّج کے مندرجۂ ذیل مصرعوں میں پہلا آدم کے حوالے سے اور دوسرا حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے کہا گیا ہے:
>
> خدا کی ثنا ہے جس نے اپنی منوّر الوہیت کے راز کو اپنی انسانی فطرت میں ظاہر کیا اور پھر اپنی مخلوق میں مرئی طور پر اُس کی شکل میں ظاہر ہوا جو کھاتا پیتا ہے۔
>
> آپ یہاں ملاحظہ کریں گے کہ ہم خدا کے بارے میں دو نوعیت کے عقیدے رکھتے ہیں، ایک کی نوعیت لاہوتی اور دوسرے کی نوعیت ناسوتی ہے۔ یہ اصطلاحیں شامی مسیحیت سے مستعار لی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی دو فطری نوعیّتوں کو ظاہر کرتی ہیں''۔☆۷

نکلسن کا یہ خیال غلط ہے کہ حلاّج نے شامی مسیحیت کی اصطلاحیں ''ناسوت'' اور ''لاہوت'' مستعار لے کر حضرت عیسیٰؑ کی دو فطری نوعیّتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ اصطلاحیں شامی مسیحیت سے خاص نہیں ہیں بلکہ تمام ملّتوں کے ادیان میں جو الہامی روایتوں پر مبنی ہیں، بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

ہندومت جیسا کہ اُس کی تاریخ بتاتی ہے، یہودیت اور نصرانیت سے سیکڑوں سال پہلے رائج ہوا۔ ویدوں میں دو عوالم کیا چار عوالم بیان کیے گئے ہیں۔ جاگرت (عالمِ ناسوت) سپن (عالمِ ملکوت) سکھوپت (عالمِ جبروت) تریا (عالمِ لاہوت)☆۸ تو کیا یہود و نصاریٰ نے یہ اصطلاحیں ہندومت سے مستعار لی ہیں۔ یہ روحانی تجربوں

Marfat.com

کے مقامات ہیں جن کا ذکر ہر ایک دین و ملت میں ملتا ہے۔

نکلسن نے حسین بن منصورؒ کے مذکورۂ بالا شعر میں ''کھانے پینے والی ہستی'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیے ہیں یہ بھی غلط تعبیر کا بدترین نمونہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حسین بن منصور کے اِس شعر میں سورۂ فرقان کی آیات ۷ تا ۹ کی جانب اشارہ ہے۔ حق تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کے اعتراض کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں:

> ''اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اِس رسولؐ کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اُس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اُس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اُس کے پاس (غیب سے) خزانہ آپڑتا یا اُس کے پاس کوئی (غیبی) باغ ہوتا جس سے یہ کھایا کرتا اور (ایمان داروں سے) یہ ظالم یوں (بھی) کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! دیکھیے یہ لوگ آپ کے لیے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کررہے ہیں سو (اِن خرافات سے) وہ بالکل گم راہ ہوگئے پھر وہ راہ نہیں پاسکتے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے اعتراضات رد فرمانے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اِسی سورہ کی آیت ۲۰ میں مزید ارشاد فرمایا کہ تمام انبیا و رسل (حق تعالیٰ سے ماورائی تعلق کے باوصف) بشری خصوصیات سے مستثنیٰ نہیں ہوتے اور یہ استثنا نہ ہونا اِن برگزیدہ ہستیوں کے رتبے کے منافی نہیں ہے۔

> ''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے''۔

حقیقت یہ ہے کہ حسین بن منصورؒ کے شعر کی غلط تشریح مذکورہ مستشرقین کی

Marfat.com

علمی بددیانتی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حسین بن منصورؒ سنّی مسلمان صوفی تھے، اُنھوں نے ہر جگہ اپنے نبی کی ثنا بیان کی ہے جن کے وہ امّتی تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

نکلسن کا یہ نقطۂ نظر بھی غلط ہے کہ حلاّج کے نزدیک شانِ ایزدی رکھنے والے شخص کا کامل نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اُنھی کی حلاّج نے مدح کی ہے۔☆۹ یہ جائزہ طواسین کے پہلے باب ”طاسین السراج“ کے مندرجات کے سراسر خلاف ہے۔ اِس باب کی عبارتوں میں جو آیات اور قرآنی اشارات معرضِ تحریر میں آئے ہیں وہ تمام تر حضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہیں۔ یہ تجزیہ دیانت دارانہ تحقیق کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ نکلسن نے اِس خطبے میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو گم راہ کرنے کے سوا کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے لیے ان کا احسان مند ہوا جائے۔

حسینؒ بن منصور بیضاوی کی سزائے قتل کے سلسلے میں استغاثے کا الزام، عدالت کی کارروائی اور قاضی صاحب کی غلط بیانی کی تفصیلات باب سوم میں پیش کی جاچکی ہیں۔ وزیر حامد بن عبّاس کا ذاتی حسد و عناد ایک شوریدہ سر عاشق کے قتل کیے جانے کا موجب ثابت ہوچکا ہے۔ عشقِ شور انگیز کی داستان ورقِ ایام پر تحریر ہوچکی ہے اور یہ ایسی روشنائی اور ایسے قلم سے معرضِ تحریر میں آئی ہے کہ جب تک پاک باز عاشقوں کے گروہ کا ایک فرد صحرائے عشق میں سرگرداں ملے گا، حسین بن منصور کی داستانِ عشق زندہ جاوید رہے گی۔

سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند
بہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند

حواشی

۱۔ اِس تالیف کے آخر میں منصوریات کا ایک اجمالی خاکہ بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔

۱۔ الف۔ سیرت منصور حلاج۔ ص ۱۱۷۔ اِس روایت کا راوی دربار خلافت کا ایک ادیب و شاعر ابوبکر صولی تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اسے غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۱۱۴۔ ۱۱۵۔

Marfat.com

۲۔ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، کراچی ایڈیشن، ص ۱۵۸۔
۳۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۵۸، نیز زیر نظر تالیف کا باب دوم جس میں داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی تحقیق پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔
۴۔ طواسین۔ مصنفہ حسین بن منصور حلاج بیضاوی، مترجم عتیق الرحمٰن عثمانی، لاہور ۱۹۹۸ء صص، ۸۸ تا ۹۴۔
۵۔ رسالۂ قشیریہ، صص ۱۱۰۔ ۱۱۱۔
۶۔ حسین بن منصور حلاج اقتباس از کشف المحجوب (فارسی) ترجمہ ذوالفقار احمد تابش۔ ص ۳۱۔
۷۔ دوسرا خطبہ، ص ۳۰۔ نکلسن نے پروفیسر مائی سی نون کی مرتبہ ''کتاب الطواسین'' کے صفحہ ۱۳۰ کا حوالہ دیا ہے۔ یہ تصنیف راقم کو دستیاب نہ ہوسکی۔
۸۔ سرِ اکبر، جلد اوّل، مصنفہ شہزادہ داراشکوہ مطبوعہ ہیرا لال پریس جے پور ۱۹۱۰ء، تفسیر الفاظ مستعملہ کتاب ہذا۔
۹۔ The Idea of Personality in Sufism، خطبہ نمبر ۲، ص ۳۰۔

Marfat.com

پس نوشت

تالیفِ ہٰذا طباعت کے مراحل میں تھی کہ راقم کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اگر ''حسن منصور ملحد بغدادی'' سے متعلق مزید معلومات حاصل ہوجائیں تو قارئین کے لیے اُس کی شخصیت زیادہ واضح ہوجائے گی، نیز اُس کے واقعات جو حسین بن منصور حلاّج بیضاوی سے مخلط کردیے گئے ہیں، وہ بھی قطعی طور پر منقّح اور بے غبار ہوجائیں گے۔

اِس خیال کے پیدا ہونے کے بعد، راقم نے اسماعیلی لٹریچر کا مطالعہ شروع کردیا۔ اس سلسلے میں رقم کو مندرجہ ذیل تین تصانیف دستیاب ہوئیں۔

۱۔ تاریخِ فاطمینِ مصر، حصّہ اوّل و دوم، مصنّفہ ڈاکٹر زاہد علی مرحوم

۲۔ ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اُس کا نظام، ڈاکٹر زاہد علی مرحوم

۳۔ تاریخِ اسماعیلیہ، مصنّفہ پروفیسر علی محسن صدیقی

اِن تصانیف میں ''تاریخِ فاطمینِ مصر'' حصّہ اوّل کی فصل ۵ زیادہ مفیدِ مطلب رہی۔ اِس فصل میں ڈاکٹر زاہد علی نے اپنے چند جملوں کے بعد، اسماعیلی قاضی القضاۃ نعمان بن محمد (م ۳۶۳ھ) کی تصنیف ''افتتاح الدعوۃ'' کی ایک طویل عبارت کا اردو ترجمہ نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بہ قول ''افتتاح الدعوۃ'' اُن کی دوسری تصنیف ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اُس کا نظام'' کی اشاعت تک (۱۹۵۴ء تک) طبع نہیں ہوئی۔ اِس کا ایک خطّی نسخہ اُن کے ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ (کراچی ایڈیشن شایع کردہ مکتبۂ بیّنات، کراچی، سالِ طبع ندارد، ص۶۵۲) یہاں ''تاریخِ فاطمینِ

مصر" حصۂ اوّل، فصل ۵ کے متعلقہ مندرجات پیش کیے جاتے ہیں۔

مہدی کے ظہور کی تیاریاں اور حسین کی ملاقات ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب (منصور الیمن) سے۔

حسین تین ائمۂ مستورین کا آخری امام ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے عبداللہ ملقب بہ مہدی کے ظہور کی تیاریاں کیں۔ ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب کو دعوتِ اسماعیلیہ کی اشاعت کے لیے یمن بھیجا۔ یہ شخص دعوتِ اسماعیلیہ قبول کرنے سے پیش تر کوفے کا ایک دولت مند اور بارسوخ باشندہ تھا۔ دولت و ثروت کے ساتھ علم و معرفت بھی رکھتا تھا۔ اُس کی ملاقات حسین سے کوفے میں ہوئی۔ خود اُس شخص کا بیان ہے:

> "میں ایک دن فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوکر میں نے کلام اللہ کی تلاوت شروع کی۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عمر رسیدہ شیخ مجھ سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اتنے میں ایک کم سن لڑکا شیخ کے سامنے سے خراماں گزرا۔ اس لڑکے کی یہ بے باکی مجھے ناگوار گزری۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو میں نے اُس سے پوچھا تو کون ہے جو شیخ کے سامنے ایسی جسارت کرتا ہے۔ لڑکے نے کہا، میں حسینی ہوں۔ حسین کا نام سنتے ہی میرا دل بھر آیا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ میں نے کہا، قربان اُس حسینؓ کے جو خون میں نہایا اور جس پر اِس نہر کا پانی بند کیا گیا۔ شیخ نے میری یہ حالت دیکھ کر اپنے رفیق سے کچھ کہا جو میں سمجھ نہ سکا۔ شیخ کا رفیق میرے پاس آیا اور کہا، آیئے، ہمارے ساتھ بیٹھیے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے شیخ کے پاس لے گیا۔ شیخ نے مجھ سے

پوچھا، تم کون ہو جو حسین کو یاد کرتے ہو۔ میں نے کہا، ایک شیعی ہوں۔ شیخ نے کہا، تمھارا نام کیا ہے۔ میں نے کہا، میرا نام ابوالقاسم حسن بن فرح ہے۔ شیخ نے کہا، میں تمھارے والد کو جانتا ہوں، وہ مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ کیا تمھارا بھی وہی مذہب ہے؟ میں نے کہا، ہاں۔ پھر شیخ نے مجھ سے پوچھا، تم کلامِ مجید پڑھتے پڑھتے کیوں رک گئے۔ جہاں سے تم نے چھوڑا تھا، وہاں سے شروع کرو۔ میں سورۃ الکہف پڑھ رہا تھا۔ جب میں آیہ ''فانطلقا حتی اذا لقیا غلاما فقتلہ قال اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت شئ نکرا'' پر پہنچا (آیت ۷۴) ترجمہ: پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا، خضر نے اُسے مار ڈالا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی) تو شیخ نے مجھ سے اِس آیت کی تفسیر پوچھی اور کہا، کیا تم عدل و توحید کے قائل ہو۔ میں نے کہا، ہاں وہ میرا مذہب ہے۔ شیخ نے کہا، اِس قصّے سے عدل و توحید کس طرح ثابت ہوسکتے ہیں۔ اِس سوال سے سے مجھے ایک گونہ پریشانی ہوئی اور میں اِس کا جواب نہ دے سکا۔ پھر خود میں نے شیخ سے اِس کی تفسیر پوچھی۔ شیخ نے کہا، یہ راز کی بات ہے۔ ہم آئندہ کسی اور موقع پر ظاہر کریں گے۔ کچھ دیر تک دیگر امور پر گفتگو جاری رہی۔ جب شیخ نے رخصت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اُن کا پتا دریافت کیا۔ شیخ نے کہا، پتے کی کیا ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ہم کل پھر یہاں جمع ہوں۔ دوسرے روز میں اُس مقام پر گیا مگر شیخ کو وہاں نہ پایا۔ میں بہت پچھتایا اور جواب کے اشتیاق میں ہر روز وہاں جایا کرتا تھا۔ اتفاق سے

ایک دن شیخ کا رفیق نظر آیا۔ میں نے اُسے پہلے دن کا واقعہ یاد دلایا اور شیخ کے پاس لے جانے پر اصرار کیا۔ رفیق نے مجھ سے کہا کہ ہم یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر چلیں گے۔ غرض ہم دونوں بیٹھے اور چند اہم مذہبی مسائل پر بحث کرتے رہے۔ جس سے مجھے پتا لگا کہ شیخ کا رفیق ایک عالم تبحر ہے۔ اِس سے شیخ کی ملاقات کا شوق اور بھی بڑھ گیا۔ آخر میں شیخ کے رفیق نے مجھ سے عہد و پیان لے کر مجھے شیخ سے ملا دیا اور میں اسماعیلیہ میں شریک ہوگیا۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا نام حسین ہے (م۲۶۸ھ) اور وہ امامِ مستور ہے۔ جو شخص اُس کا رفیق تھا، وہ اُس کا داعی ہے۔"

(تاریخِ فاطمینِ مصر، حصّہٗ اوّل، کراچی ۱۹۸۳ء، طبع سوم، صص ۶۸ تا ۷۰)

ڈاکٹر صاحب نے "افتتاح الدعوۃ" کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد حسن بن فرح سے متعلق مزید معلومات بھی فراہم کی ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

"حسین نے حسن بن فرح کو باضابطہ تعلیم دی اور مذہبی عقاید سکھائے۔ جب وہ تبلیغ کے قابل ہوگیا تو اُس سے پوچھا، کیا تم سفر کروگے؟ حسن نے کہا، میں ہر طرح تیار ہوں، آپ حکم دیں۔ حسین نے کہا، میں تمھیں تبلیغ کے لیے یمن بھیجنے والا ہوں۔ صنعا تمھارے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ مجھے انتظار صرف ایک شخص کا ہے جو یمن سے آنے والا ہے۔ یہ شخص ۲۶۶ھ میں کربلا پہنچا۔ کوفے میں اس کی ملاقات حسین کے ایک داعی سے ہوئی جس نے اسے رفتہ رفتہ اپنا معتقد بنا لیا۔ اُس کا نام علی بن فضل تھا اور یہ کوفے کے سربر آوردہ لوگوں میں سے تھا۔ جب یہ بھی

تبلیغ کے قابل ہوگیا تو حسین نے ابوالقاسم حسن بن فرح سے کہا، میں علی بن فضل کا منتظر تھا۔ اب وہ آگیا ہے۔ لہٰذا تم اور وہ دونوں مل کر یمن جاؤ اور عدنؒ لاعہ میں ٹھہرو۔ ہمارے شیعہ جو اپنے آپ کو بنوعباس کے ہمدرد اور طرف دار ظاہر کرتے ہیں، وہاں موجود ہیں۔ وہیں سے ہماری دعوت کا ظہور ہوگا اور وہیں سے ہمارے داعی دیگر ممالک میں بھیجے جائیں گے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرقہ اسماعیلیہ کے ہاں یمن بہت مبارک بقعہ سمجھا جاتا ہے۔

داعی ابوالقاسم حسن بن فرح اور داعی علی بن فضل دونوں مل کر ۲۶۸ھ میں یمن کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حسین کے حکم کے مطابق عدن لاعہ میں قیام کیا جہاں بنو موسیٰ رہتے تھے۔ پہلے دو سال تک خفیہ طور پر دعوت کی۔ آہستہ آہستہ کئی شخصوں کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ یہاں تک کہ اسماعیلیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی اور اُنھوں نے اپنی حفاظت کے لیے عدن لاعہ میں ایک قلعہ بنایا اور کچھ لشکر بھی جمع کیا۔ دو سال بعد ۲۷۰ھ میں جب اُن کو کافی قوت حاصل ہوگئی تو اُنھوں نے اپنی دعوت کا اعلان کردیا اور یکے بعد دیگرے یمن کے اکثر شہر فتح کرلیے۔ یہاں تک کہ صنعا پر جو یمن کا صدر مقام تھا، اُن کا قبضہ ہوگیا اور بنو یعفر وہاں سے نکال دیئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ صنعا کا والی جس کا نام یعفر تھا، اِس بات کو محسوس کرکے کہ عنقریب اسماعیلی اُس کے ملک پر قبضہ کرلیں گے، اپنا ملک خود ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ ابوالقاسم نے یمن کے علاوہ دیگر ملکوں مثلاً یمامہ، بحرین، سند، ہند، مصر، مغرب وغیرہ میں بھی داعی بھیجے۔

Marfat.com

(تاریخِ فاطمینِ مصر، محولہٗ بالا، ص ۱۷-۷۰)

مذکورہ اقتباسات کے پیشِ نظر یہ استنباط درست ہوگا کہ 'حسن منصور الیمن' ہی 'حسن منصور' ہے جس کی نشان دہی حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں حسین بن منصور حلاّج بیضاوی کے ذکر میں کی ہے۔ اِسی حسن منصور الیمن (حسن منصور) کے حالات، واقعات اور اقوال غیرثقہ راویوں نے حلاّج رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرکے بیان کیے ہیں۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ 'حسن منصور الیمن' اور 'حسن منصور' کے ناموں میں جو معمولی فرق نظر آتا ہے، اُس کا باعث امتدادِ زمانہ بھی ہوسکتا ہے۔ تاریخ میں اِس نوع کے تغیّر کا وقوع پذیر ہونا مستبعد نہیں ہے۔ اِس کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ دو ناموں میں معمولی یکسانیت کے باعث 'حسن منصور' کو 'حسین بن منصور' قیاس کیا گیا اور اوّل الذکر کے ملحدانہ خیالات و عقاید کو ثانی الذکر پر منطبق کردیا گیا۔

اِس کذب و افترا کے مشتہر ہونے کا ایک سبب، تیسری صدی ہجری کے نصف آخر کے حالات، واقعات اور اہم شخصیات کا پردۂ خفا میں رہنا ہے۔ علویوں کی تحریک رضا آلِ محمدؐ، اسماعیلی دعوت، اُس کے ائمہ و مستورین اور داعیوں کا عام لوگوں سے پوشیدہ رہنا نیز قرامطہ کی تحریک کا زیرِ زمین رہنا، ایسے حقایق ہیں جو نہ صرف تیسری صدی ہجری بلکہ چودھویں صدی تک پوشیدہ رہے تا آنکہ ڈاکٹر زاہد علی نے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ چودھویں صدی میں اپنی محولہٗ بالا تصانیف کے توسط سے اِن راز ہائے سربستہ کو عیاں کیا جنھیں مذکورہ صدی میں حسین بن منصور حلاّج بیضاوی پر تحقیق کرنے والوں نے نہ جانے کن وجوہ سے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ بہرحال یہ چند تاریخی حقایق ہیں جو ایک مستعلوی اسماعیلی صاحبِ علم و فضل کے حوالے سے اہلِ نظر حضرات کی خدمت میں پیش کردیے گئے۔

تا دسترسم بود، زدم چاکِ گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

Marfat.com

ضمیمہ

منصوریات کا اجمالی خاکہ

''منصوریات'' یعنی حسین بن منصور بیضاویؒ سے متعلق تحریریں، اقوال اور اشعار وغیرہ جن کے لکھنے اور کہنے والوں میں صوفیہ اور غیر صوفیہ شامل ہیں، گیارہ سو سال تک محیط ہیں۔ اِس سلسلے میں جو جستہ جستہ تحریریں اور اشعار مولف کی نظر سے گزرے ہیں، اُنھیں یہاں ہر صدی کے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

اہلِ نظر حضرات اِسے ایک محدود اور اجمالی خاکے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں، لیکن اِس سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے۔ اگرچہ چوتھی صدی ہجری ہی سے تاریخ طبری اور صلۃ الطبری میں حسین بن منصورؒ کا ذکر ملتا ہے لیکن اِن کتبِ تواریخ میں بیان کردہ روایات ضعیف اور مشکوک ہیں، اس لیے اِن روایات کو ''منصوریات'' سے خارج کردیا گیا ہے۔ فی الحقیقت ''منصوریات'' کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ابوالقاسم قشیریؒ کی تصنیف ''رسالۂ قشیریہ'' سے ہوتا ہے، یہیں سے راقم السطور اپنی گزارشات کی ابتدا کرتا ہے۔

پانچویں صدی ہجری

۱۔ امام ابو القاسم قشیریؒ (م ۴۶۵ھ)

قشیریؒ نے ''رسالۂ قشیریہ'' میں حسین بن منصورؒ کی بیان کردہ تعریفِ توحید نقل کی ہے جو اُن کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی دلیل ہے (یہ تعریف اِس تالیف کے باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں) توحیدِ الٰہی کی اِس مفصل تعریف کے علاوہ امام قشیریؒ نے سلوک و طریقت سے متعلق اُن کے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں جن کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم و مستند ہے۔☆۱

۲۔ سیّد علی ہجویری داتا گنج بخشؒ (م ۴۶۵ھ یا بعد)۔

داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں حسین بن منصورؒ کا مفصل تذکرہ کیا ہے جس کے اقتباسات باب دوم میں نقل کیے جاچکے ہیں۔ داتا گنج بخشؒ نے انکشاف فرمایا ہے کہ اُنھوں نے حسین بن منصورؒ کے تحریر کردہ پچاس رسالوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں طالب کے ابتدائی مشاہدات درج ہیں۔☆۲۔ اِس تبصرے کے بعد داتا گنج بخشؒ نے ہمیں بتایا ہے کہ اُنھوں نے اپنی ایک تصنیف میں حسین بن منصورؒ کے کلام کی شرح تحریر کی تھی۔ (یہ تصنیف اب ناپید ہے۔☆۳) اِس کے علاوہ منہاج الدین میں اُنھوں نے حسین بن منصور کی سوانحِ عمری تحریر فرمائی تھی۔ (یہ کتاب بھی اب ناپید ہے۔☆۴) کاش حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی یہ دونوں تصانیف دستیاب ہوتیں تو حسین بن منصورؒ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے روحانی احوال بے غبار ہوجاتے، تاہم کشف المحجوب سے ایک اہم انکشاف تک ہماری رسائی ہوجاتی ہے کہ حسین بن منصورؒ کا ایک ہم عصر حسن منصور نام کا بھی تھا۔ یہ بغداد کا باشندہ اور ملحد تھا، یہ حسن منصور محمد بن زکریا رازی کا استاد اور ابوسعید جنّابی قرمطی کا رفیق بھی تھا۔ اُس کے حالات حسین بن منصورؒ سے خلط ہوگئے ہیں۔☆۵

پانچویں ہجری کے مذکورۂ بالا دو مستند ماخذ ''منصوریات'' میں بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔

چھٹی صدی ہجری

اِس تالیف کے باب سوم میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ پانچویں صدی ہجری

Marfat.com

کے مستند ماخذوں میں حسین بن منصور کے قول انا الحق کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ چھٹی صدی ہجری کے صوفی شعرا میں نعرۂ انا الحق کی گونج سنائی دیتی ہے۔ راقم السطور کو اِس صدی کے صرف دو شعرا کا کلام دستیاب ہوسکا۔

۱۔ حکیم سنائی غزنویؒ (م ۵۳۵ھ) مثنوی طریق التحقیق میں فرماتے ہیں:

آں کہ او گوہرِ محبت سفت
بزبان و بدل انا الحق گفت

[وہ شخص جس نے (حق تعالیٰ کی) محبت کا موتی پرویا، اُس نے زبان و دل سے انا الحق کہا۔]

ہمگناں جان و دل بدو دادہ
والہ و مست و بے خود افتادہ

[(اِس طرح) تمام (عاشقوں) نے اپنی جان اور اپنے دل اُسے سپرد کر کے دیوانے، مست اور بے خود ہوگئے ہیں۔]

۲۔ خواجہ احمد جام ژندہ پیلؒ (م ۵۳۶ھ) کہتے ہیں:

مکن سرِّ انا الحق فاش ہر دم
کہ در ہر کوچۂ داریست از ما

[اے سالک ہر وقت رازِ انا الحق ظاہر نہ کر، ہم نے ہر کوچے میں دار نصب کردی ہے۔]

اے دل اگر دم ز اناالحق زنی
لایق جز تو رسن و دار نیست

[اے دل (خاموش رہ) اگر تو نے صدائے انا الحق بلند کی تو پھر تو پھانسی پر لٹکائے جانے کے لایق رہ جائے گا۔]

زنی بانگِ اناالحق را دمادم
بر آئی بر سرِ دار آں دم

Marfat.com

[جب تو پے در پے نعرۂ انا الحق لگائے گا تب تختِ دار پر رونق افروز ہوگا۔]

فنا شو در رہِ توحید مطلق
بر آر آندم تو صد بانگِ انا الحق

[پہلے تو توحیدِ مطلق کی راہ میں فنا ہوجا، اُس کے بعد انا الحق کے سو نعرے لگا۔]

۳۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ) کے ارشادات باب چہارم میں ملاحظہ فرمائیں۔

ساتویں صدی ہجری

۱۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ (م ۶۲۷ھ) کا قول ہے:

"مرا عجب آمد از کسے کہ روا دارد از درختے انا اللہ بر آید و درخت درمیاں نہ چرا روا نہ باشد کہ از حسین انا الحق بر آید و حسین درمیاں نہ"۔

(مجھے اُس شخص پر تعجب ہوا جو اِس امر کو روا رکھتا ہے کہ درخت انا اللہ کہے اور درخت درمیان میں نہ ہو وہ اِس امر کو کیوں روا نہیں رکھتا کہ حسین انا الحق کہے اور حسین درمیان میں نہ ہو۔)☆۶

خواجہ رحمتہ اللہ علیہ ہی کا ایک شعر ہے:

ہر کہ از وے نزد انا الحق سر
او بود از جماعت کفار

(ہر وہ شخص جس سے انا الحق ظاہر نہیں ہوا، وہ حق چھپانے والی جماعت سے ہوتا ہے۔)

۲۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) نے فتوحاتِ مکیہ جلد دوم باب ۱۸۵ میں حسین بن منصورؒ کے واقعۂ قتل پر جو تبصرہ کیا ہے اُسے اِس تالیف کے باب چہارم میں ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے میں شریعت کی میزان کے مطابق حدود جاری کرنے میں حاکمِ شرع ثواب کا مستحق ہوگا، اگرچہ حسین بن منصور اور دیگر اولیا مغلوب الحالی کے احتمال کے باعث اپنی ذات میں گنہگار نہ ہوں گے۔

۳۔ شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (م ۶۷۰ھ) حسین بن منصور کی نسبت سے اکثر یہ رباعی پڑھتے تھے: ☆۷

از نورِ جلال مردِ مطلق خیزد
وز شوقِ خدا نگر چہ رونق خیزد
ایں خاطرِ مرداں چہ عجائب بحریست
چوں موج زند ہمہ انا الحق خیزد

(نورِ جلال سے مردِ آزاد نمودار ہوتا ہے۔ دیکھو شوقِ الٰہی سے کیسی رونق ظہور میں آتی ہے۔
اہلِ ہمت کا دل کیسا عجیب سمندر ہے کہ جب موجیں مارتا ہے تو انا الحق ہی نمایاں ہوتا ہے۔)

۴۔ مولانا جلال الدین رومیؒ (م ۶۷۲ھ) نے اس موضوع پر کثرت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہاں چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

ما مستِ الستیم بہ یک جرعہ چو منصور
اندیشۂ فتوائے سرِ دار نہ داریم

[ہم مستِ الست ہیں (شرابِ محبت کا) ایک گھونٹ پی کر منصور کی طرح دار پر چڑھائے جانے کے فتوے کا اندیشہ نہیں کرتے۔]

گفت فرعونے انا اللہ گشت پست
گفت منصورے انا الحق و برست

Marfat.com

فرعون نے انا اللہ کہا تو ذلیل ہوا، منصور نے انا الحق کہا تو بلند ہوگئے۔

آں انا را لعنتہ اللہ در عقب
ایں انا را رحمتہ اللہ اے محبّ

(اُس انا کے ساتھ اللہ کی لعنت چسپاں ہے، اے محبت کرنے والے اِس انا کے ساتھ اللہ کی رحمت ہے۔)

بود اناالحق بر لب منصور نور
بود انااللہ در لب فرعون زور

(منصور کی زبان پر انا الحق سراسر نور تھا، اِس کے برعکس فرعون کا انااللہ کہنا سراسر فریب تھا۔)

۵۔ حضرت عثمان مروندی لعل شہباز قلندر (م ۶۷۳ھ) سے ایک مسلسل غزل منسوب ہے۔ ایک شعر پیش خدمت ہے:

منم عثمانِ مروندی بیادِ شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

(میں عثمان مروندی اپنے شیخ منصور کی یاد میں دار پر رقص کرتا ہوں اور ایک مخلوق مجھے ملامت کر رہی ہے۔)

آٹھویں صدی ہجری

ا۔ صاحب ''گلشنِ راز'' محمود شبستریؒ (م ۷۲۰ھ) فرماتے ہیں:

ہرآں کو خالی از خود چوں خلا شد
انا الحق اندر و صوت و صدا شد

(جو شخص خلا کی مانند اپنی خودی سے خالی ہوگیا تو اُس کے باطن میں انا الحق کی صدائیں گونجتی ہیں۔)

Marfat.com

روا باشد اناالله از درختے
چرا نبود روا اَز نیک بختے

[ایک درخت اگر اناالله کہے تو روا ہے (یہی حال) ایک نیک بخت پر طاری ہو تو کیوں روا نہیں ہونا چاہیے۔]

۲۔ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ (م ۷۲۵ھ) نے اپنی ایک مبارک مجلس میں فرمایا:

''بندہ عرض داشت کرد کہ سیّدی احمد چگونہ کسی بود؟ فرمود بزرگ کسی بود، او از عرب بوُدہ است و رسمِ عرب آنست کہ چوں کسی را بہ بزرگی یاد کنند، سیّدی گویند بعد ازاں فرمود کہ او در عہدِ شیخ حسین منصور حلاّج بود رحمتہ اللہ علیہ، در آنچہ منصور را بسوختند و خاکسترِ او را در آبِ دجلہ رواں کردند، سیّدی احمد قدری ازاں آب کہ در و خاکستر بود بہ تبرک برداشت و بخورد۔ آں ہمہ برکت ہا ازاں جا بود''۔☆۸

[بندے نے (حسن علا سجزی نے) عرض کی کہ سیّدی احمد کیسے شخص تھے۔ فرمایا بزرگ شخص تھے، وہ عرب میں پیدا ہوئے تھے اور عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کا بزرگی کے ساتھ ذکر کرتے تو سیّدی کہتے ہیں۔ اِس کے بعد ارشاد ہوا کہ وہ شیخ حسین منصور حلاج کے زمانے میں تھے، دونوں پراللہ تعالٰی کی رحمت ہو۔ جس وقت حسین بن منصور (کی لاش) کو جلایا گیا اور اُس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہائی گئی تو سیّدی احمد نے تھوڑا سا پانی جس میں راکھ ملی ہوئی تھی، بطور تبرّک لے کر پی لیا۔ اِس باعث اُنھیں جملہ برکتیں حاصل ہوئیں۔]

۳۔ صاحبِ فوائد الفواد، حسن علا سجزیؒ (م ۷۳۷ھ) نے اپنی ایک دوسری

Marfat.com

تصنیف ''مخ المعانی'' میں حسین بن منصور سے متعلق ایک روایت بیان کی ہے:

''حسین منصور حلّاج را بر آویختند، چو آں مستِ سیرِ کرّار بہ کمند ما پیچ بر سر دار بر آویزند چنیں گویند، خونے کہ از اعضائے مبارکِ او جدا می شد او بداں توضی می کرد۔ نظارگیاں گفتند ایں چیست؟ گفت ہٰذہٖ صلوٰۃ العاشقین لا یجوز الا بوضوودم نفسہ''۔☆۹

[(مخالفوں نے) حسین منصور حلاج کو سولی دی۔ جب وہ راہِ عشق کے مست بل دار کمند کے ساتھ لٹکائے گئے، کہتے ہیں کہ اُن کے اعضائے مبارک سے خون بہا، منصور نے اِس سے وضو کیا۔ دیکھنے والوں نے دریافت کیا، یہ کیا ہے؟ منصور نے کہا کہ یہ عاشقوں کی نماز ہے جو اپنے خون سے وضو کیے بغیر جائز نہیں۔]

۴۔ حافظ شیرازیؒ (م۷۹۳ھ)

کشد نقشِ اناالحق بر زمیں خوں
چو منصور ار کشی بر دارم امشب

[زمین پر (میرا) خون انا الحق کا نقش بنائے گا اگر تو مجھے آج کی شب منصور کی مانند دار پر لٹکائے۔]

گفت آں یار کزو گشت سرِ دار بلند
جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا می کرد

[اُس دوست نے جس کے باعث دار کا سر بلند ہوا، فرمایا کہ اُس کا جرم صرف اتنا ہی تھا کہ راز عیاں کر دیتا تھا]

نویں صدی ہجری

۱۔ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک عظیم بزرگ حضرت سیّد محمد حسینی المعروف بہ بندہ نوازؒ (م ۸۲۵ھ) نے فرمایا:

''جس طرح درخت کے مظہر میں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ

Marfat.com

نے کہا تھا، انی انا اللہ لا الہ الاّ انا، اِسی طرح حسین منصور کے مظہر میں اُس نے انا الحق کی آواز نکالی۔ لوگوں نے اِس کو سن کر خلاف شرع سمجھا اور جمع ہو کر اُن کو قتل کردیا، حالاں کہ اُن کا کوئی جرم اور قصور نہ تھا''۔☆۱۰

۲۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ایک بزرگ شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ (م ۸۳۷ھ) کا قول ہے:

''منصور بچہ بود، طاقت نیاورد و اسرار بیرون زد۔ بعضے مردانند کہ دریاہا فرومی برند و آروغ نمی آرند''۔☆۱۱

(منصور بچے تھے، برداشت نہ کرسکے اور راز فاش کردیا۔ بعض اہل ہمّت ہیں کہ سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔)

۳۔ محمود بن حسن شاہ داعی الی اللہ (م ۸۶۹ھ) شارح مثنویِ گلشن راز نے ''نسایم گلشن'' میں تحریر کیا ہے:

''پس کلمہ 'انا الحق' از حسین منصور نہ ازو بود بلکہ از وجود حق واحد مطلق بود آں کہ لفظ انا لایق است کہ اضافہ بہ او یابد''۔☆۱۲

(پس کلمۂ انا الحق حسین منصور سے جاری نہ ہوا تھا بلکہ واحدِ مطلق وجودِ حق سے تھا کیوں کہ لفظ 'انا' حق تعالیٰ ہی سے نسبت کے لائق ہے۔)

دسویں صدی ہجری

۱۔ کبیر داس ہندی شاعری کے ''بھگتی کال'' (ہندی شاعری کے دوسرے دور) کے اہم شاعر ہیں، اُن کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخوں کا عِلم نہیں لیکن غالب قیاس یہ ہے کہ وہ بنارس (بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۹۲۴ھ میں اُن کی وفات

ہوئی۔ کبیر داس کی دو نظمیں جن کا ترجمہ اور تشریح علی سردار جعفری نے کی ہے، یہاں پیش کی جاتی ہیں:

ہنسا کرو پراتن بات
کون دیس سے آیا ہنسا، اترنا کون گھاٹ
کہاں ہنسا بسرام کیا ہے، کہاں لگائے آس
اب ہیں ہنسا چیت سیرا، چلو ہمارے ساتھ
سنسے سوک وہاں نہیں ویاپے، نہیں کال کے تراس
ہیاں مدن بَن پھول رہے ہیں، آوے سو ہم پاس
من بھنورا جیہوں اُرجھ رہے ہیں، سکھ کی نا ابھلاس☆۱۳

☆

ترجمہ:

اے ہنس، اپنی پرانی کہانی سناؤ۔ تم کس دیس سے آئے ہو اے ہنس اور کس گھاٹ اترو گے؟ تم کہاں آرام کرو گے اے ہنس اور تمھیں کس کی تلاش ہے؟ اب بھی چیت جاؤ ابھی سویرا ہے۔ اے ہنس، آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ ایک ایسی جگہ جہاں غموں کا نام نہیں، شک اور دکھ کا نشان نہیں۔ موت کا خوف نہیں۔ وہاں مدن بَن پھول رہا ہے (عشق کی بہار چھائی ہوئی ہے) اور انا الحق کی سہانی خوش بو پھیلی ہوئی ہے۔ من کا بھونرا مستی میں گونج رہا ہے۔ اِس کے بعد کسی اور سکھ کی آرزو نہیں ہے۔

اس اندرونی ہنس کے گیت میں ایک راز اور بھی ہے۔ وہ ''ہم ن۔سا'' ''ہم ن۔ سا'' (ہنسا، ہنسا) کے ساتھ ساتھ یہ بھی سنتا ہے: ''سا۔ ہم ن'' ''سا۔ ہم ن'' (سا=وہ ہم ن= میں) اور اِس کا مطلب ہے ''وہ میں ہوں۔ جو وہ ہے وہی میں ہوں،

Marfat.com

"یعنی میں آتمن (الوہی خود) ہوں، میں وجودِ مطلق ہوں۔ اناالحق۔ سوہم باس= انا الحق کی خوش بو، سوا ہم= سا ہم ن= جو وہ ہے وہ میں ہوں، برہم کے ساتھ جیو کی ابھنتا۔ کل کے ساتھ جزو کا مکمل اتحاد۔ اس لیے میں نے منصور کی روایت سے سوہم کا ترجمہ انا الحق کیا ہے۔ دوسری جگہ کبیر نے اِسی کو "سوہنگ" لکھا ہے۔ نغمے کی مناسبت سے "باجے کی سوہنگ تورا" یعنی انا الحق کا ساز بج رہا ہے۔

مدن= کام، دیو= عشق کا دیوتا۔

نرگن آگے سرگن ناچے
باجے سوہنگ تورا
چیلا کے پاؤں گروجی لاگے
یہی اچھمبا پورا☆۱۴

(ذات کے سامنے صفات ناچ رہی ہیں۔ انا الحق کا ساز بج رہا ہے۔ سب سے بڑے اچنبھے کی بات یہ ہے کہ گرو چیلے کے قدم چھو رہا ہے۔)

حاشیہ:

باجے سوہنگ تورا: انا الحق کا ساز بج رہا ہے۔ (دیکھیے ۱۲) اس کی تفسیر یہ ہے کہ ذات کے سامنے ناچتی ہوئی صفات انا الحق کا ساز بجا رہی ہیں۔ جب گرو چیلے کے پیر چھوتا ہے تو دوئی وحدت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کو "سرِ توحید" (ایک پن کا بھید) کہتے ہیں۔

۲۔ چشتیہ صابریہ سلسلے کے ایک بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ) کی ایک ذوق انگیز غزل ہے۔ دو شعر پیشِ خدمت ہیں:

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہ ہا
آئنہ اسمے نہادی خود بہ اظہار آمدی

[تو نے (تعینات کے) آئینوں میں اپنا نظارہ کیا۔ آئینہ تو محض نام رکھ دیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تو نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔]

شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا
خود زدی بانگِ انا الحق بر سرِ دار آمدی

[کہاں کی دیوانگیِ منصور اور کیسی اُس کی پھانسی (عشق نے) خود ہی نعرۂ انا الحق لگایا اور خود ہی تختۂ دار پر چڑھ گیا۔]

گیارھویں صدی ہجری

۱۔ فیضی فیاضی (م ۱۰۰۴ھ)

ہمچو منصور مگو رازِ سرا پردۂ وصل
شاہ رابیں کہ بہ آں محرمِ اسرار چہ کرد

(اے طالب! منصور کی مانند شاہی بارگاہ کے راز عیاں نہ کر۔ بادشاہ کے فیصلے پر نظر رکھ کہ اُس نے اِس محرمِ راز کے ساتھ کیا کیا۔)

۲۔ محمد حسین نظیری نیشا پوری (م ۱۰۲۳ھ)

نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نہ شود دار کنم

(میرے خشک و تر کے دشت میں کوئی کمی نہیں ہے، جس درخت کی لکڑی کا منبر نہیں بنتا میں اُسے دار بنا دیتا ہوں۔)

۳۔ ابو البرکات منیر لاہوری (م ۱۰۵۵ھ)

مپرس سرِّ انا الحق ز سر بریدۂ چند
بہ بندلب کہ سخن دانِ ایں سخن دار است

Marfat.com

(ان چند لوگوں سے جن کے سر کاٹے گئے ہیں، رازِ اناالحق دریافت نہ کر۔ بس خاموش رہ کہ اِس بات کا علم صرف دار ہی کو ہے۔)

۴۔ حکیم صائب تبریزی (م ۱۰۸۱ھ)

از صد یکے بپایۂ منصور می رسد
چوں لالہ ہر کہ بگزرد از سر شہید نیست

[سو (عارفوں میں سے) کوئی ایک منصور کے رتبے تک پہنچتا ہے، لالے کے پھول کی طرح جو سر سے گزر جائے شہید نہیں ہے۔]

رازے کہ سر بمہرِ ادب بود سالہا
آخر ز کاسۂ سر منصور شد بلند

[وہ راز جو سالہا سال ادب (کی وجہ سے) سر بمہر تھا آخرکار منصور کے کاسۂ سر سے بلند ہوا۔]

بارھویں صدی ہجری

۱۔ حضرت سلطان باہوؒ (م ۱۱۰۲ھ)

راتیں نین رت ہنجوں رووَن تے ڈیہاں غمزہ غم دا ہو
پڑھ توحید وڑیا تن اندر سکھ آرام ناں سما ہو
سر سولی تے چا ٹنگیو نے ایہو راز پرم دا ہو
سدھا ہو کر ہیویے باہو قطرہ ناں غم دا ہو

۲۔ بابا بلھے شاہؒ (م ۱۱۷۱ھ)

بلھا دوئی دل سے دھو سکھ کی نیندر بھر کے سو
موہوں ناں انا الحق گو چڑھ سولی ڈھولا گاویں گا

Marfat.com

تیرھویں صدی ہجری

۱۔ میر تقی میر (م ۱۲۲۵ھ)

موسم آیا تو نخلِ دار پہ میر
سرِ منصور ہی کا بار آیا

۲۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب (م ۱۲۸۵ھ)

آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ منبر نہ تواں گفت

(وہ راز جو دل میں پوشیدہ ہے وہ وعظ نہیں ہے، اِس لیے وہ راز دار پر تو فاش کیا جاسکتا ہے، منبر پر نہیں کہا جاسکتا۔)

ہم انا اللہ خواں درختے را بہ گفتار آورد
ہم انا الحق گوے مردے را سرِ دار آورد

(اللہ تعالیٰ درخت سے انا اللہ کہلواتا ہے (اور وہ قائم رہتا ہے) وہی انا الحق کہنے والے صاحبِ ہمّت کو پھانسی پر لٹکوا دیتا ہے۔)

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو منظور تنک ظرفیِ منصور نہیں

☆

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمایش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمایش ہے

۳۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ (م ۱۲۷۶ھ)

یا در آئینہ بہ بیں یا بہ سرِ دار بر آ
خویشتن را بشناس آئنہ و دار یکیست

[دل کے آئینے میں مشاہدہ کر یا دار پر چڑھ (بہر صورت) اپنے

Marfat.com

نفس کا عرفان حاصل کر۔ آئینہ اور دار یکساں ہیں (کوئی فرق نہیں ہے۔)]

چودھویں صدی ہجری

۱۔ آسی غازی پوریؒ (م ۱۳۴۵ھ)

اِنھیں کانوں سے انا الحق کے سنے ہیں نعرے
آدمی عشق میں کیا جانیے کیا ہوتا ہے

۲۔ بیدم وارثیؒ (سالِ وفات نامعلوم)

کہیں ہے عبدہٗ کی دُھن کہیں شورِ انا الحق ہے
کہیں اخفائے مستی ہے کہیں اظہارِ مستی ہے

۳۔ گرامی جالندھری (م ۱۳۴۵ھ)

منصور کہ مستانہ برآمد بہ سرِ دار
خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ منبر نتواں گفت۔

(حسین بن منصورؒ نے جو مستانہ وار دار پر چڑھے، کیا خوب کہا کہ ہر نکتے کا اظہار منبر پر نہیں ہوتا صرف دار پر ہی کہا جاسکتا ہے۔)

عشق را دار و عقل را منبر
عقل در رنگ و عشق خود بے رنگ

(عشق کی تقدیر میں پھانسی پانا ہے اور عقل کا مقام منبر ہے۔ عقل کسی نہ کسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ لیکن عشق بے رنگ ہے۔)

از وعظ علم برکش از راز چہ می لافی
وعظ است سرِ منبر راز ست و سرِ دارے

(اے شخص! وعظ کہنے سے اپنا مرتبہ بڑھا، رازِ حقیقت جاننے کی

کیا شیخی مارتا ہے (کچھ معلوم ہے کہ) وعظ کے لیے منبر کافی ہے
اور راز عیاں کرنے کے لیے دار پر چڑھنا پڑتا ہے۔)

۴۔ علامہ اقبالؒ (م ۱۳۵۷ھ)

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

☆

بہ جامِ نو، کہن مے، از سبو ریز
فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز

(نئے جام میں پرانی شراب گھڑے سے انڈیل، اپنے وجود کی
روشنی سے محلوں اور کوچوں کو روشن کر دے۔)

اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور
بہ دل "لا غالب الا اللہ" فرو ریز

(اگر تو شجرِ منصور سے پھل حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنے دل میں
یہ خیال جما لے کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ہے۔)

اِس کے علاوہ "جاوید نامہ" میں منصوریات کا قابلِ قدر حصہ شامل ہے۔ اہلِ ذوق فلکِ مشتری کے سفر کی روداد مذکورہ مثنوی میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۵۔ عالم اسلام کی ایک اہم شخصیت اور جدید ایرانی انقلاب کے بانی آیت اللہ خمینی نے بھی حسین بن منصور کی تحسین میں فرمایا ہے:

فارغ از خود شدم و کوے انا الحق بروم
ہمچو منصور خریدارِ سرِ دار شدم

۶۔ جگر مراد آبادی۔ (م ۱۹۶۰ء)

منصور تو سر دے کے سبک ہو گیا لیکن
جلاّد سے پوچھے کوئی جلاّد کا عالم

Marfat.com

۷۔ فیض احمد فیض۔ (م ۱۹۸۴ء)

فیض کا کلام دار و رسن کے استعاروں اور علامتوں سے لبریز ہے۔ اس وقت ایک شعر حافظے میں ہے وہی پیش کیا جاتا ہے:

ہمیں سے سنتِ منصور و قیس زندہ ہے
ہمیں سے باقی ہے گل دامنی و کج کلہی

پندرھویں صدی ہجری

اب کہ پندرھویں صدی ہجری کے بائیس سال گزر چکے ہیں اور تیئسواں سال جاری ہے، دو اہم کام طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پروفیسر عتیق الرحمٰن عثمانی نے کتاب الطواسین کا عام فہم ترجمہ کیا ہے جو لاہور سے ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوا۔ اِس کے علاوہ ڈاکٹر مظفر اقبال نے حلاج کے عربی دیوان کا عربی متن کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ یہ پہلی بار کراچی سے ۱۴۱۷ھ میں اور دوسری بار ۱۴۲۱ھ میں شائع ہوا۔ سننے میں آیا ہے کہ بعض اہلِ علم منصوریات کے فروغ میں مصروف ہیں۔

یک حرف بیش نیست سراسر حدیثِ عشق
امّا عجیب تر کہ بہ پایاں نمی رسد

حواشی

☆۱۔ رسالۂ قشیریہ (اردو ترجمہ) ص، ۳۵۰، ۳۵۲، ۴۲۸، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۷، ۵۶۱، ۵۷۳۔
☆۲۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۵۹
☆۳۔ ایضاً ص ۱۶۰۔
☆۴۔ ایضاً ص ۱۶۰۔
☆۵۔ ایضاً ص ۱۵۸۔
☆۶۔ تذکرۃ الاولیا (فارسی) حصہ دوم، ص ۱۱۵۔
☆۷۔ سیر الاولیا (فارسی) باب ہشتم، ص ۴۸۶۔
☆۸۔ فوائد الفواد (فارسی) ص ۴۳۱، ترجمہ از راقم السطور۔

☆۹۔ کتاب عشق (اردو ترجمہ مخ المعانی) مترجم لطیف اللہ، کراچی ۲۰۰۰ء۔ ص ۶۲۔
☆۱۰۔ جوامع الکلم (اردو ترجمہ) ص ۵۲۱ نیز ملاحظہ فرمائیں، اِس تالیف کا باب چہارم۔
☆۱۱۔ اخبار الاخیار (فارسی) مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۱۸۹۔ ترجمہ از راقم السطور۔
☆۱۲۔ نسایم گلشن (فارسی) از شاہ دائی الی اللہ، مرتبہ محمد نذیر رانجھا، لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۴۱، ترجمہ راقم السطور۔
☆۱۳۔ کبیر بانی (پاکستانی ایڈیشن) کراچی ۲۰۰۱ء، مرتب سردار جعفری، ص ۷۹ اور ۸۱۔
☆۱۴۔ ایضاً ص ۱۲۸۔

Marfat.com

کتابیات

۱۔ امام رازی | مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی | اعظم گڑھ (بھارت) ۱۹۵۰ء

۲۔ تاریخِ اسلام، حصہ دوم | اکبر شاہ خان نجیب آبادی | کراچی، طبع پانژدہم

۳۔ تاریخِ اسلام | ڈاکٹر حمید الدین | لاہور، طبع چہارم ۱۹۷۵ء

۴۔ تاریخِ اسلام، حصہ سوم | شاہ معین الدین احمد ندوی | کراچی ۱۹۷۵ء

۵۔ تاریخ اسماعیلیہ | پروفیسر علی محسن صدیقی | کراچی ۲۰۰۰ء

۶۔ تاریخ تصوف | پروفیسر یوسف سلیم چشتی | لاہور ۱۹۷۶ء

۷۔ تاریخ تصوف در اسلام (فارسی) | ڈاکٹر قاسم غنی | تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ ش

۸۔ تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اوّل | سیّد ابوالحسن علی ندوی | کراچی، سالِ طبع ندارد

۹۔ تاریخ طبری | ابن جریری طبری
ترجمہ از علامہ عبداللہ عمادی | کراچی اشاعت دوم ۱۹۸۱ء

۱۰۔ تاریخ فقہ اسلامی | علامہ محمد الخضری
ترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی | اسلام آباد سالِ طبع ندارد

۱۱۔ تدوینِ حدیث | مولانا مناظر احسن گیلانی | کراچی ۱۹۵۶ء

۱۲۔ تذکرۃ الاولیا (فارسی) | خواجہ فرید الدین عطار | تہران، چاپ پنجم سالِ طبع ندارد

۱۳۔ التعرف لمذہب اہل التصوف | ابوبکر ابواسحٰق کلاباذی
ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن | لاہور ۱۹۷۸ء

۱۴۔ جوامع الکلم | ملفوظات بندہ نواز گیسو دراز
ترجمہ پروفیسر معین الدین دردائی | کراچی ۱۹۸۰ء

۱۵۔ حسین بن منصور حلاج | مرتبہ خورشید نعیم ملک | لاہور ۱۹۹۰ء

۱۶۔ خطباتِ بھاولپور | ڈاکٹر محمد حمید اللہ | لاہور ۱۴۰۱ھ

۱۷۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۹ اور ۱۰ | لاہور

۱۸۔ رسالۂ قشیریہ	ابو القاسم قشیری	
	ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن	اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۸۴ء
۱۹۔ رسالۂ یزداں شناخت (فارسی)	عین القضاۃ ہمدانی	
	مرتبہ ڈاکٹر بہمن کریمی	تہران ۱۳۲۷ش
۲۰۔ سرّ اکبر (فارسی)	شہزادہ دارا شکوہ	جے پور (بھارت) ۱۹۱۰ء
۲۱۔ سیر الاولیا (فارسی)	محمد بن مبارک (میر خورد کرمانی)	لاہور ۱۹۷۸ء
۲۲۔ سیرت منصور حلاج	مولانا ظفر احمد عثمانی	کراچی ۱۳۹۷ھ
۲۳۔ سیرۃ النبیؐ، جلد اوّل	مولانا شبلی نعمانی	لاہور، طبع چہارم ۱۹۸۵ء
۲۴۔ صحیفۂ ہمام بن منبہ	حضرت ہمام بن منبہ	
	مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ	حیدرآباد دکن ۱۹۵۵ء
۲۵۔ طواسین	حسین بن منصور حلاج	لاہور ۱۹۹۸ء
	ترجمہ از پروفیسر عتیق الرحمٰن عثمانی	
۲۶۔ عبقات	شاہ اسماعیل شہید	
	ترجمہ از مولانا مناظر احسن گیلانی	حیدرآباد دکن، سالِ طبع ندارد
۲۷۔ عرب و ہند کے تعلقات	علامہ سیّد سلیمان ندویؒ	الہ آباد ۱۹۳۰ء
۲۸۔ غایت الامکان فی درایت المکان (فارسی)	عین القضاۃ ہمدانی	
	ترجمہ از لطیف اللہ	کراچی ۱۹۸۳ء
۲۹۔ فواید الفواد (فارسی)	حسن علا سجزی	
	مرتبہ محمد لطیف ملک	لاہور ۱۹۶۶ء
۳۰۔ کشف المحجوب (فارسی)	سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش	لاہور، سالِ طبع ندارد
۳۱۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ	چودھری غلام رسول، ایم اے	لاہور، طبع سوم
۳۲۔ مروج الذہب، جلد چہارم	ابو الحسن علی بن الحسین مسعودی	قاہرہ ۱۹۶۵ء
۳۳۔ نفحات الانس (فارسی)	مولانا عبدالرحمٰن جامی	
	مرتبہ توحید پور	تہران ۱۳۳۶ش
۳۴۔ ماہنامہ ''ماہِ نو'' کراچی	'اقبال نمبر' اپریل ۱۹۷۰ء	

35. Renold A. Nicholson, The Idea of Personality in Sufism, Cambridge, 1923.

Marfat.com

مصنّف کی تصانیف اور تراجم

تصانیف

تصوّف اور سرّیت: تقابلی مطالعہ — ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

انفاسِ امدادیہ — سوانح حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
نشر المعارف، کراچی

غالب... شخصیت و کردار — ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی

کتبِ تصوف کے تراجم

غایۃ الامکان فی درایۃ المکان — مصنفہ عین القضاۃ ہمدانی، مکتبۂ ندیم، کراچی

ملفوظاتِ شاہ مینا لکھنوی — ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

کلمات الصادقین — مصنفہ محمد صادق دہلوی، نشر المعارف، کراچی

مطلوب الطالبین — مصنفہ شیخ محمد بلاق دہلوی، فضلی سنز، کراچی

کتابِ عشق (مخ المعانی) — مصنفہ حسن علا سجزیؒ، ناشر: شہزاد، کراچی

لطائفِ اشرفی حصہ دوم وسوم — ملفوظات حضرت سیّد اشرف جہاں گیر سمنانی،
ناشر: شیخ ہاشم رضا، کراچی

ادارۂ یادگارِ غالب کی نئی مطبوعات

مقالاتِ ممتاز

ڈاکٹر ممتاز حسن — علمی وادبی مقالات اور شخصی خاکوں کا مجموعہ۔

مرتبہ: شان الحق حقی — صفحات ۴۷۱۔ قیمت ۱۵۰ روپے

یادگارِ غالب

مولانا الطاف حسین حالی — طبع اول ۱۸۹۷ء کا عکس۔ صفحات ۴۵۰۔ قیمت دو سو روپے

رموزِ غالب

ڈاکٹر گیان چند — مجموعۂ مقالات۔ صفحات ۴۶۰۔ قیمت تین سو روپے

نامہ ہای فارسی غالب

ترجمہ: پرتو روہیلہ — غالب کے فارسی خطوط کا ترجمہ۔ صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۲۰ روپے

تذکرۃ الشعرا

مولانا حسرت موہانی — یہ تذکرہ پہلی مرتبہ کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ صفحات

مرتبہ: شفقت رضوی — ۶۸۸۔ قیمت تین سو روپے

مآثرِ غالب

مرتبہ: قاضی عبدالودود — غالب کی غیر مدون اردو فارسی تحریروں کا مجموعہ۔ مع ترجمۂ

تدوینِ نو: ڈاکٹر حنیف نقوی — خطوط فارسی از پرتو روہیلہ۔ صفحات ۲۵۶۔ قیمت ۱۵۰ روپے

تصحیح و تحقیقِ متن

ڈاکٹر نذیر احمد — صفحات ۹۶ قیمت ۸۰ روپے

املائے غالب

رشید حسن خان — غالب کے طرزِ املا کا مفصل مطالعہ۔ صفحات ۲۲۰۔ قیمت ۱۴۰ روپے

Marfat.com

کتابی سلسلہ "غالب"

شمارہ ۱۹	صفحات ۴۷۷۔ قیمت دوسو روپے
جہات غالب	
مرتبہ : ڈاکٹر ممتاز حسن	بین الاقوامی دانشوروں کے انگریزی مقالات کا ترجمہ۔
مترجمہ : محی الحق فاروقی	صفحات۔۱۰۶۔ قیمت ۱۰۰ روپے
غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین	
مولانا حامد حسن قادری	صفحات ۲۰۰۔ قیمت ۱۵۰ روپے
انشائے غالب	غالب کے کلام نظم ونثر کا انتخاب جو خود غالب نے کیا تھا۔
مرتبہ: رشید حسن خان	صفحات ۱۸۰۔ قیمت ۱۵۰ روپے
آئینۂ افکار غالب	غالب سے متعلق مقالات کا مجموعہ۔ صفحات ۱۶۰۔
شان الحق حقی	قیمت ۱۴۰ روپے
غالب: شخصیت و کردار	غالب کے بارے میں مستقل کتاب۔ صفحات ۱۴۰۔
پروفیسر لطیف اللہ	قیمت ۸۰ روپے
نوادر غالب	
ڈاکٹر اکبر حیدری	مجموعۂ مقالات۔ صفحات ۲۶۴۔ قیمت دوسو روپے
غالب شناس مالک رام	
ڈاکٹر گیان چند	غالب پر مالک رام کے کاموں کا جائزہ۔ صفحات۔ قیمت ۱۴۰ روپے
غالب صد رنگ	
سید قدرت نقوی	مجموعۂ مقالات۔ صفحات ۲۹۲۔ قیمت دوسو روپے
تعبیرات غالب	
ڈاکٹر فرمان فتح پوری	مجموعۂ مقالات۔ صفحات۔ قیمت دوسو اسی روپے
غالبیات کے چند فراموش شدہ گوشے	
ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری	مجموعۂ مقالات۔ صفحات ۲۸۰۔ قیمت ۲۰۰ روپے

Marfat.com

Marfat.com

حسین بن منصور حلاّج ایک تحقیقی جائزہ

حسین بن منصور حلاج کا نام ہماری فکر و ثقافتی تاریخ میں بعض اعتبارات سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خصوصاً ادب کے حوالے سے تو یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہمیشہ تازہ رہا ہے، اور اسے حق گوئی و حق شناسی کی راہ میں مرحلۂ دار و رسن سے گزرنے کی علامت کے طور پر ہر دور میں سکۂ رائج الوقت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حسین بن منصور حلاج سے متعلق تاریخی روایات تضاد و تناقص کی حامل ہیں اور انھیں ایک مرتبہ جس طرح مشہور کر دیا گیا، پھر اُن پر غور و فکر کر کے اصل حقیقت کو جاننے کی کوشش کبھی نہیں کی گئی، حالانکہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کشف المحجوب" میں واضح طور پر اشارہ کیا ہے کہ لوگوں نے تحقیق کے بغیر حسین بن منصور حلاج کے عہد کے ایک دوسرے شخص حسن منصور کو حسین بن منصور حلاج تصور کر کے، اُس کے ملحدانہ خیالات و تصورات بھی اُن سے منسوب کر دیے ہیں۔

پروفیسر لطیف اللہ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے اس فرمودے کی روشنی میں حسین بن منصور حلاج کی اصل تصویر پیش کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انھوں نے "انا الحق" کا نعرہ مستانہ کبھی بلند نہیں کیا کیونکہ پانچویں صدی ہجری تک صوفیہ کی تصانیف میں اس واقعے کا بیان نہیں ملتا۔ مستشرقین نے قولِ انا الحق اور اُس کے متعلقات کے سلسلے میں جو نکات مخترع کیے ہیں، اُن کا اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

297.692 ح 51 ل
70041-U-67
Marfat.com

حسین بن منصور حلاّج

ایک تحقیقی جائزہ

پروفیسر لطیف اللہ

ادارۂ یادگارِ غالب کراچی

Marfat.com